ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت

ملتان

6 | شوال المکرم 1441ھ | جون 2020ء

عزم و ہمت اور صبر و استقامت کے
90 سال

- کرونا لاک ڈاؤن، پابندیوں کی پامالی اور نشانہ مذہب
- مفکرِ اسلام علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ
- اقلیتی کمیشن اور قادیانی نمائندگی!
- نو آبادیاتی ماحول میں مُلّا اور مسٹر کا کردار
- جماعتِ احمدیہ اور شدت پسندی
- قادیانیت کی ایک اور شکست، غیور ارکان پنجاب اسمبلی کو سلام
- مسئلہ کورونا ہے یا مسجد کے تہذیبی و معاشرتی کردار پر حملہ؟
- قادیانی مسئلہ فیڈرل شریعت کورٹ میں......

تعمیر جدید دار القرآن

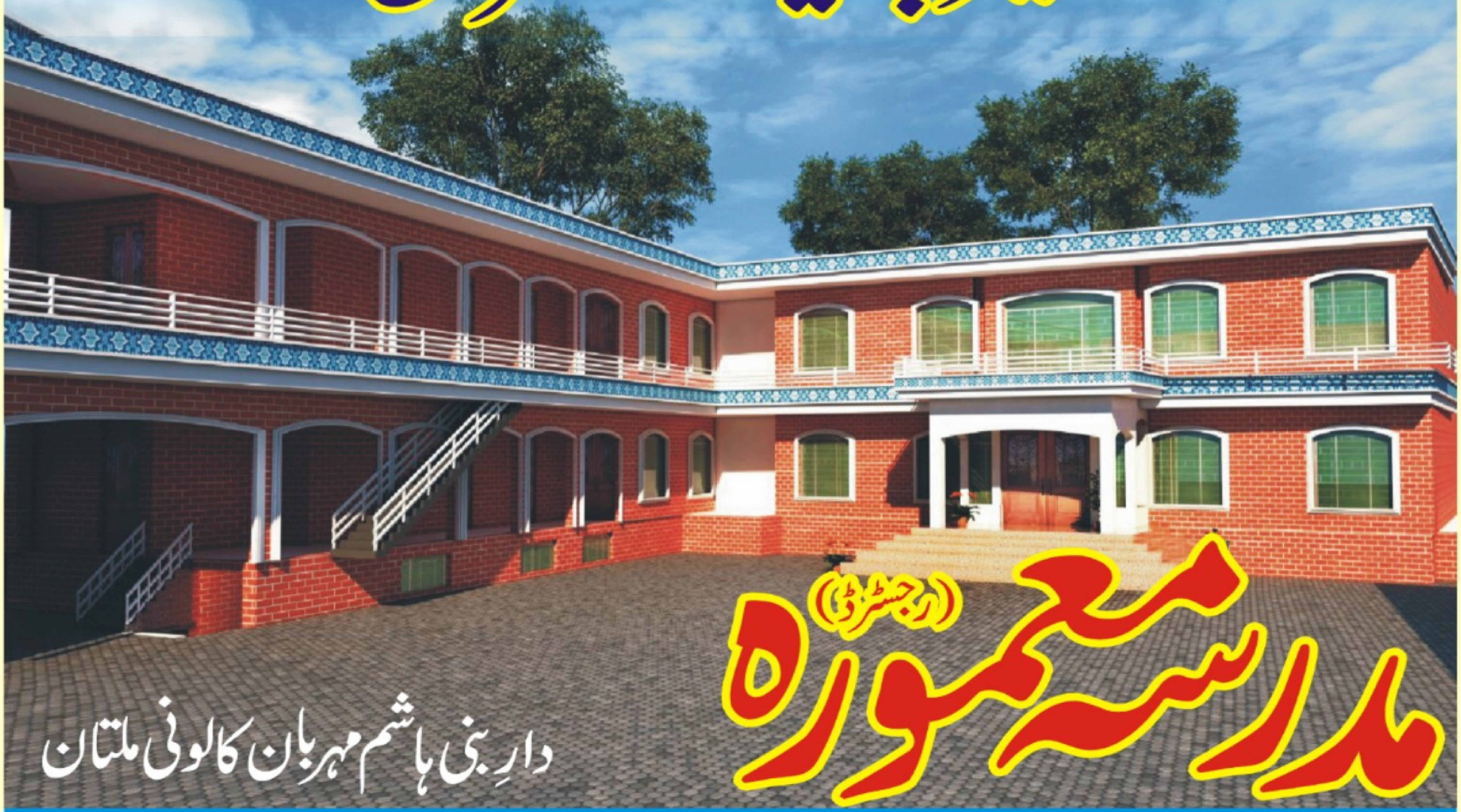

مدرسہ معمورہ (رجسٹرڈ)

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

الحمدللہ بیسمنٹ ہال، دار القرآن، دفاتر اور لائبریری کی تعمیر جدید (17,500,000) ایک کروڑ پچھتر لاکھ روپے سے مکمل ہو چکی ہے۔

☆ درجہ کتب کے طلباء کے لیے درس گاہوں، دار الحدیث، دار الاقامہ پر مشتمل نئی عمارت کی تعمیر باقی ہے جس کا تخمینہ تقریباً (3,00,00,000) تین کروڑ روپے سے متجاوز ہے۔

رابطہ برائے ترسیل زر تعاون: **سید محمد کفیل بخاری** (ناظم مدرسہ معمورہ)

بذریعہ چیک، ڈرافٹ، آن لائن: بنام مدرسہ معمورہ: اکاؤنٹ نمبر

A/C # 5010030736200010

Branch Code : 0729

THE BANK OF PUNJAB

بذریعہ اے ٹی ایم ٹرانسفر: **07290160065740001**

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سیّدالاحرار حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت مولانا سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 31 شمارہ 06 جون 2020ء / شوال المکرم ۱۴۴۱ھ

Regd.M.NO.32

تشکیل

اداریہ:	کرونا لاک ڈاؤن، پابندیوں کی پامالی اور نشانہ مذہب	سید محمد کفیل بخاری	2
״	مفکرِ اسلام علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ		
شذرات:	اقلیتی کمیشن اور قادیانی نمائندگی!	عبداللطیف خالد چیمہ	6
دین و دانش:	نور العیون فی تلخیص سیرۃ الامین المامون صلی اللہ علیہ وسلم (آخری قسط)	علامہ ابن سیّد الناس رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمہ: ڈاکٹر ضیاء الحق قمر	8
״	سیدتنا اُم المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	علامہ محمد عبداللہ رحمہ اللہ	14
افکار:	نو آبادیاتی ماحول میں مُلّا اور مسٹر کا کردار	مولانا زاہد الراشدی	16
״	جماعتِ احمدیہ اور شدت پسندی	منصور اصغر راجہ	19
״	قادیانیت کی ایک اور شکست‘ غیور ارکان پنجاب اسمبلی کو سلام	عرفان احمد عمرانی	27
״	مسئلہ کورونا ہے یا مسجد کے تہذیبی و معاشرتی کردار پر حملہ؟	مولانا عبیدالرحمن شاہجہاں پوری	30
״	قادیانی مسئلہ فیڈرل شریعت کورٹ میں......	سجاد ضیغم	38
نقد و نظر:	قادیانی اور غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق	مولانا محمد اسحٰق الہندی	43
ادب:	والعصر	سعود عثمانی	48
״	کرونا اک بہانہ ہے	ابوسفیان تائب	49
تاریخ احرار:	تاریخ احرار (دوسری قسط)	مؤلف: مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ: امام سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ	50

فیضانِ نظر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی سیّد عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیرِ مسئول

سیّد محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رُفقائے فکر

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سیّد عطاء اللہ ثالث بخاری

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد

0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک ——— 300/- روپے

بیرون ملک ——— 5000/- روپے

فی شمارہ ——— 30/- روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎ 061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوۃ مجلس احرار اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سیّد محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

کرونالاک ڈاؤن، پابندیوں کی پامالی اور نشانہ مذہب

سید محمد کفیل بخاری

تین ماہ سے پوری قوم حبس بے جا کے جس کرب اور اذیت سے گزر رہی ہے۔ اشرافیہ کو اس کا اندازہ نہیں۔ سونے کا چمچہ منہ میں رکھ کر، اقتدار کا جھولا جھول کر اور رشوتوں سے پل کر جوان ہونے والے مقتدر کیا جانیں کہ عوام کیا ہوتے ہیں؟ غریب کسے کہتے ہیں اور اس کی زندگی کیا ہے؟ بندہ مزدور کے اوقات کتنے تلخ ہیں؟

کورونا وائرس دنیا بھر میں آیا لیکن پاکستان میں کچھ نرالا ہی آیا۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار کو آتا ہے اور باقی چار دن چھٹی کرتا ہے۔ صوبہ سندھ میں اتنا آیا نہیں جتنا شور ڈالا جا رہا ہے۔ ہمارے خیال میں پوری قوم نے حکومتی احتیاطی تدابیر کے احکام (ایس او پیز) پر بھرپور عمل کیا ہے۔ سب سے زیادہ عمل درآمد مساجد و مدارس سے وابستہ طبقے نے کیا اور عوام کو احتیاط کی تلقین کی۔ افسوس ہے کہ ہدف تنقید بھی صرف مساجد کو ہی بنایا گیا۔ بلکہ میڈیا ٹرائیل کیا گیا۔ عام نمازوں میں فاصلے، کئی مقامات پر نماز جمعہ اور تراویح پر پابندی، اعتکاف پر پابندی اور معلوم نہیں کہ نماز عید کے ساتھ ریاست مدینہ کے نعرے باز کیا سلوک کرتے ہیں۔

تفتان بارڈر سے زائرین کو بغیر کرونا ٹیسٹ اور قرنطینہ کے ملک بھر میں پھیلانے سے لے کر یومِ شہادت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جلوسوں تک حکومتی و ریاستی سرپرستی میں جو کھیل کھیلا گیا اسے وطنِ عزیز میں فرقہ واریت پھیلانے اور فرقہ وارانہ فسادات کو فروغ دینے کے سِوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ علماء کرام اور ہماری دینی قیادت کا احسان ہے کہ انہوں نے حکومت و ریاست سے مکمل تعاون کیا اور فرقہ وارانہ آگ کو بھڑکنے نہیں دیا۔ ورنہ حکومت نے تمام اجتماعات پر پابندی کے باوجود یومِ علی پر اپنے ہی بنائے ہوئے اس او پیز کو جس طرح پاؤں تلے روند کر پامال و مجروح کیا اس سے کورونا وائرس کے حوالے سے رائج پابندیوں کی آڑ میں مذہب دشمنی کا ایجنڈا واضح ہو گیا ہے کہ نشانہ صرف مذہب ہے۔ مساجد میں عبادات، تراویح و تلاوت قرآن ہے۔ ورنہ کھلے بازاروں اور نادرا دفاتر کے باہر لوگوں کا ہجوم اور سماجی فاصلوں کا خاتمہ کوئی مسئلہ نہیں۔

گزشتہ دنوں چیف جسٹس آف پاکستان کی سربراہی میں پانچ رکنی بنچ نے ''کورونا وائرس از خود نوٹس'' کیس کی سماعت کرتے ہوئے کئی اہم سوالات اٹھانے کے بعد اہم فیصلوں کا اعلان کیا ہے۔

چیف جسٹس گلزار احمد نے سوال کیا کہ:

1۔ کیا کورونا نے حکومت سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ہفتہ، اتوار کو نہیں آئے گا؟

2۔ کراچی میں پانچ بڑے مالز کے علاوہ کیا سب مارکیٹس کھلی ہیں؟

3۔ اگر باقی مارکیٹس کھلی ہیں تو شاپنگ مالز کیوں بند رکھے ہیں؟

چیف جسٹس نے ریمارکس دیے کہ ملک بھر میں تمام چھوٹی مارکیٹس اور شاپنگ مالز کھولنے کا حکم دے رہے ہیں۔ ایس او پیز پر مالز میں زیادہ بہتر عمل درآمد ہو سکتا ہے پورا ہفتہ یکساں طور پر تمام مارکیٹس کھول دی جائیں۔

چیف جسٹس کے ریمارکس اور فیصلے حکومتی اقدامات پر سوالیہ نشان ہیں۔ اگر ملک کو عدلیہ اور اسٹیبلشمنٹ نے ہی چلانا ہے تو حکومت کیا کر رہی ہے اور موجودہ حکمران کس لیے ملک وقوم پر مسلط ہیں؟ ''خدا گنجے کو ناخن نہ دے'' اقتدار نا اہلوں کے ہاتھ آ گیا ہے۔ کورونا کی آڑ میں جو گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا ہے حکمران اس کے نقصانات سے جان بوجھ کر آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔ ہر بیمار کو کرونا مریض بنانا اور ہسپتال میں ہر مرنے یا مار دیے جانے والے کو کورونا کھاتے میں ڈالنا، کورونا مریضوں اور لاشوں کا کاروبار کرنا کونسا اور کس کا ایجنڈا ہے؟ لوگ ہسپتال کی بجائے گھروں میں عزت کی موت مرنا پسند کر رہے ہیں۔ ابھی تو ویکسین کا مرحلہ باقی ہے۔ اس کے ذریعے کتنے انسانوں کا قتل عام ہوگا؟ یہ عالمی طاغوتی منصوبہ ساز ہی جانتے ہیں۔ انہوں نے ہم سے ہی پیسے لے کر ہمیں قتل کرنا ہے۔

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی میرے قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے

حکمرانوں سے گزارش ہے کہ قوم کے ساتھ بھونڈا مذاق بند کریں۔ اب یہ زیادہ دیر نہیں چلے گا۔ خود ملک نہیں چلا سکتے تو حکومت کی جان چھوڑ دیں۔ قوم کے جسمانی ومعاشی قتل کی دلالی میں ملنے والے پیسے کب تک کھائیں گے؟ آخر ایک دن کورونا انہیں بھی دبوچ لے گا۔

مفکرِ اسلام علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

جید عالم دین، محقق ومناظر علامہ ڈاکٹر خالد محمود 20 رمضان المبارک 1441ھ 14 مئی 2020ء بروز جمعرات انگلینڈ کے شہر مانچسٹر میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چند روز قبل وہ اپنے بستر سے اٹھتے ہوئے نیچے گرے اور کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ہسپتال داخل ہوئے، غالباً آپریشن بھی ہوا لیکن جانبر نہ ہو سکے۔ وقت موعود آ پہنچا اور وہ تقریباً ایک صدی کا سفر طے کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمّٰی

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات پر کوئی تحریر میسر نہیں عام طور پر وہ اپنے حالات بیان کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے۔ کوئی پوچھتا تو اکابر کے حالات پر بیان شروع کر دیتے بعض مواقع پر نجی مجالس میں کسی نے سوال کیا تو مختصر جواب دیتے۔ دستیاب معلومات کے مطابق علامہ صاحب 1925ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ مدرسہ نعمانیہ میں حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) کے ہاں پڑھے۔ بعض دوستوں کا خیال ہے کہ وہ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے اور بعض نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا فاضل لکھا ہے۔ دونوں باتیں درست نہیں۔ علامہ صاحب رحمہ اللہ نے جنوری 2020ء میں اپنے آخری دورۂ پاکستان کے موقع پر جامعہ اشرفیہ میں ابن الحسن عباسی صاحب کے سوال پر واضح ارشاد فرمایا کہ وہ دار العلوم دیوبند نہیں پڑھے۔

علامہ صاحب قیام پاکستان کے بعد سیالکوٹ منتقل ہو گئے۔ عصری تعلیم بھی حاصل کی۔ مرے کالج سیالکوٹ، ایم اے او کالج لاہور اور گورنمنٹ ڈگری کالج خانیوال میں پروفیسر رہے۔

قیام لاہور کے دوران وہ سول سیکرٹریٹ کی مسجد کے خطیب رہے، تنظیم اہل سنت نامی جماعت سے وابستہ ہوئے۔ مولانا سید نور الحسن بخاری، مولانا دوست محمد قریشی اور مولانا عبدالستار تونسوی رحمہم اللہ کے ساتھ مل کر دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عنوان پر خوب تحریری کام کیا۔ تنظیم کے ترجمان ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور سے منسلک رہے۔ مولانا زاہد الراشدی کی روایت ہے کہ 1956ء میں جمعیت علماءِ اسلام کے دستور کی تدوین ہوئی تو کمیٹی میں علامہ خالد محمود اور صدر احرار شیخ حسام الدین بھی شامل تھے۔ تب پہلی مرتبہ عوامی سطح پر حضرت علامہ کا نام معروف ہوا۔ 1970ء کے انتخابات میں وہ جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر لاہور کے معروف حلقہ نمبر چار سے امیدوار تھے۔ پیپلز پارٹی کے رہنما شیخ رشید احمد (بابائے سوشلزم) اور جماعت اسلامی کے قیم میاں طفیل محمد آپ کے مقابلے میں تھے۔ شیخ رشید جیت گئے۔

غالباً 1960ء کی دہائی میں ان کا انگلینڈ آنا جانا ہو گیا تھا اور 1970ء کے بعد تو وہ تقریباً وہیں منتقل ہو گئے۔ مانچسٹر میں اسلامک اکیڈمی اور سینٹر بنایا۔ اب تک اسی سے وابستہ تھے۔ سردیوں میں پاکستان تشریف لاتے اور تین چار ماہ قیام فرماتے۔ حضرت علامہ کے چاہنے والے اُن کی آمد کا انتظار کرتے اور کئی سوالات لکھ کر بیٹھے ہوتے۔ اس لیے کہ وہ مناظرانہ رنگ میں بات کرنے کے ماہر تھے۔ سائل یا مخالف کے سوال کے جواب میں سے جوابی سوال اٹھا کر مات دے دیتے۔ یہ اُن کا خاص وصف تھا۔ مشکل سے مشکل اور انتہائی متنازعہ سوال کا انتہائی معتدل جواب دینا ان کا خاص وصف تھا۔ انتہائی وسیع المطالعہ تھے۔

سیکڑوں موضوعات پر درجنوں کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوت'' انھوں نے

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر لکھی۔ امیر شریعت سے بے پناہ محبت تھی۔ اُن کے ذکر پر ہمیشہ آبدیدہ ہو جاتے۔ محبت کا یہ رویہ ابناءِ امیر شریعت اور خانوادہ امیر شریعت کے ہر فرد کے ساتھ آخر وقت تک قائم رہا۔

جنوری 2020ء میں اُن سے آخری ملاقات جامعہ اشرفیہ میں ہوئی۔ اس کی تفصیل مستقل مضمون کی متقاضی ہے۔ آئندہ شمارے میں نذرِ قارئین کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

علامہ خالد محمود حقیقتاً عالم اسلام کی عبقری شخصیت تھے۔ تقریباً پون صدی انھوں نے دین اسلام کی علمی، تبلیغی اور تحقیقی خدمت کی۔ وہ اپنی وضع اور خصوصیات کے منفرد انسان تھے۔

ان کے قریبی احباب و تلامذہ کی ذمہ داری ہے کہ حضرت کے حالات جمع کر کے کتاب شائع کریں اور نئی نسل کو اُن کے حالات، خدمات اور تحریرات سے مستفید کریں۔ (باقی آئندہ، ان شاء اللہ)

☆......☆......☆

شوال کے روزوں کی فضیلت

شوال کے چھ روزے رکھنا مستحب ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی صحیح سند کے ساتھ حدیث کی مستند کتابوں میں موجود ہے:

''عن أبی أیوب عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من صام رمضان ثم أتبعہ ستًّا من شوال فذاک صیام الدھر.'' رواہ الجماعۃ إلا البخاری والنسائی''

(اعلاء السنن لظفر احمد العثمانی، کتاب الصوم، باب استحباب صیام ستۃ من شوال وصوم عرفۃ، رقم الحدیث ۱۴۵۲، ط: ادارۃ القرآن کراچی)

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ (یعنی پورے سال) کے روزے شمار ہوں گے''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے وعدہ کے مطابق ہر نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا ملتا ہے، گویا رمضان المبارک کے ایک ماہ کے روزے دس ماہ کے روزوں کے برابر ہوئے، اور شوال کے چھ روزے ساٹھ روزوں کے برابر ہوئے، جو دو ماہ کے مساوی ہیں، اس طرح رمضان کے ساتھ شوال کے روزے رکھنے والا گویا پورے سال روزہ رکھنے والا ہو جاتا ہے۔

شوال کے چھ روزے یکم شوال یعنی عید کے دن کو چھوڑ کر شوال کی دوسری تاریخ سے لے کر مہینہ کے آخر تک الگ الگ کر کے اور اکٹھے دونوں طرح رکھے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا ان روزوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ البتہ اگر کوئی روزہ نہ رکھے تو اسے طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے، کیوں کہ یہ مستحب روزہ ہے، جسے رکھنے پر ثواب ہے اور نہ رکھنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

اقلیتی کمیشن اور قادیانی نمائندگی!

عبداللطیف خالد چیمہ

1990ء میں نیشنل مینارٹیز کمیشن کی بازگشت سامنے آئی جو 2013ء میں پشاور چرچ حملے پر دوبارہ سنی گئی۔ لیکن اس کو باضابطہ طور پر اب 2020ء میں میچور کیا گیا ہے اور اس میں غیر مسلم اقلیتوں کو نمائندگی دی گئی ہے۔ اس کمیشن کی آئینی وقانونی حیثیت کی لمبی تفصیل سے قطع نظر 29 اپریل 2020ء بدھ کو الیکٹرانک میڈیا پر جب یہ خبر آئی کہ اس کمیشن میں قادیانی نمائندگی کے لیے سرکاری سطح پر فیصلہ کر لیا گیا ہے تو پورے ملک کی فضا مکدر ہوگئی۔ اس لیے کہ لاہوری وقادیانی مرزائی تو اپنی آئینی ودستوری حیثیت کو نہ صرف ماننے سے انکاری ہیں بلکہ وہ ملکی وعالمی سطح پر قرار داد اقلیت والی ترمیم کو مسلسل چیلنج کر رہے ہیں۔ 92 میڈیا گروپ نے خاص طور پر ڈاکومنٹس کے ساتھ اس کو نشر کیا۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق وزیراعظم عمران خان کی خصوصی ہدایت پر وفاقی کابینہ نے قادیانیوں کو اس کمیشن میں بطور اقلیت شامل کرنے کا فیصلہ کیا تاہم وفاقی وزیر مذہبی امور پیر انوار الحق قادری اولاً اس کی تردید کرتے رہے اور بعد میں اپنے بیان کو درست فرمالیا۔ بعد ازاں وزارت مذہبی امور نے وفاقی کابینہ کو ایک سمری ارسال کی جس میں قادیانیوں کو شامل نہ کرنے کی بابت کہا گیا تھا۔ وفاقی کابینہ نے قومی اقلیتی کمیشن کی منظوری بھی دی اور قادیانی نمائندگی نہ دینے کی بابت طے پا گیا۔ 5 مئی 2020ء منگل کو مسلم لیگ (ق) کے وفاقی وزیر طارق بشیر چیمہ نے وفاقی کابینہ کے اجلاس میں کہا کہ ''قادیانی نہ آئین پاکستان کو مانتے ہیں نہ اپنے آپ کو اقلیت مانتے ہیں، ان کو کسی بھی صورت اقلیتی کمیشن میں شامل نہیں کیا جاسکتا'' انہوں نے وفاقی کابینہ کے اجلاس میں دوٹوک موقف اختیار کیا کہ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان جیسے اسلامی ملک میں ہمیں تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھیک مانگنا پڑتی ہے۔ یہ ہم سب کے لیے شرم کا مقام ہے۔ انہوں نے کہا کہ کبھی حج فارم میں تبدیلی کر دی جاتی ہے، کبھی کتب کے اندر سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ نکال دیا جاتا ہے۔ آج تک ان سازشیوں کو کوئی سزا کیوں نہیں دی گئی۔ اگر قادیانیوں کا سربراہ خود لکھ کر بھیج دے کہ ہم پاکستان کے آئین کو مانتے ہیں اور خود کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں ان کے اقلیتی کمیشن میں بیٹھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کمیشن میں ہندو، سکھ، مسیحی اور دیگر بیٹھے ہیں، ہم نے کبھی ان پر اعتراض نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے۔ ادھر (ق) لیگ کے سربراہ چودھری شجاعت حسین اور چودھری پرویز الٰہی نے کہا کہ ''قومی اقلیتی کمیشن میں قادیانیوں کو شامل نہ کیا جائے، کیونکہ یہ غیر آئینی اقدام ہوگا، انہوں نے کہا کہ

اس ایشو پر ہم سے بطور اتحادی جماعت کوئی مشورہ نہیں کیا گیا''۔اللہ کا شکر ہے کہ اس مسئلہ پر قومی سطح پر اتفاق رائے پایا گیا اور تمام دینی جماعتوں نے ایک ہی مؤقف اختیار کیا اور اللہ نے کامیابی سے ہمکنار فرمایا، بعدازاں اسلام آباد ہائی کورٹ میں شہداء فاؤنڈیشن کے حافظ احتشام کی جانب سے طارق اسد ایڈووکیٹ نے ایک پٹیشن دائر کی جو اس اجماعی مؤقف کے خلاف ہے۔ یہ لوگ نامعلوم قوتوں کے اشاروں پر دین و وطن دشمن ایجنڈے کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ عدالت نے 4۔ جون 2020ء کو فریقین کو طلب کیا ہے اور کئی سوالات بھی اُٹھائے ہیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ اس محاذ پر بھی ہم آئینی و قانونی جنگ جیتیں گے۔اس بابت قانونی ماہرین سے مشورہ جاری ہے۔اسی اثناء میں مسلم لیگ (ق) کے صوبائی وزیر حافظ عمار یاسر نے 12۔مئی 2020ء منگل کو پنجاب اسمبلی میں تحفظ ناموس رسالت، تحفظ ناموس صحابہ واہل بیت اطہار اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم کے عنوان سے قرارداد پیش کی جس کو پورے کے پورے ایوان نے متفقہ طور پر منظور کر لیا، جس ایمانی جذبے اور جرأت رندانہ کے ساتھ حافظ عمار یاسر نے کھل کر اس پر بات کی اس پر بجا طور پر وہ تحسین کے لائق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائیں (آمین) ارکان صوبائی اسمبلی مولانا محمد الیاس چنیوٹی، مولانا معاویہ اعظم نے بھی بھر پور تائیدی گفتگو کی ، اسپیکر پنجاب اسمبلی چودھری پرویز الٰہی نے اپنی روایت کے مطابق مکمل تائید کی ، بعدازاں مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر جناب سید محمد کفیل بخاری نے جناب چودھری پرویز الٰہی سے ملاقات کر کے ضروری امور پر گفتگو کی، 12رمئی 2020ء کو قادیانی جماعت کے ترجمان سلیم الدین نے ان حالات میں ایک بار پھر اپنے مؤقف کا اعادہ کیا ہے کہ'' ہم لوگ اپنے آپ کو اقلیت تسلیم نہیں کرتے۔ آئین پاکستان کی وہ شق جس میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے''۔ کے بعد کسی قسم کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ سیدھا سادا بغاوت کا کیس ہے اور ایف آئی اے کو بھی اس کا نوٹس لینا چاہیے ہم مکمل طور پر آئینی و دستوری جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں اور قانونی طور پر اس بات پر بھی مشاورت جاری ہے کہ سینٹ کے چیئرمین کے لیے بھی مسلمان ہونے کی شرط لازمی قرار دی جائے۔کیونکہ صدر پاکستان کی ملک سے عدم موجودگی کی صورت میں سینٹ کا چیئرمین صدر مملکت ہوتا ہے۔ان سارے امور کے لیے مجلس احرار اسلام پنجاب کے سیکرٹری جنرل مولانا تنویر الحسن احرار، سید محمد کفیل بخاری اور راقم الحروف کی نگرانی میں کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی اور دیگر کئی بڑے حضرات سے رہنمائی اور مشاورت کا سلسلہ جاری ہے۔

تمام مسلمانوں، احرار دوستوں اور قارئین سے درخواست ہے کہ وہ تحفظ ناموس رسالت اور تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کہ یہی راستہ دنیا وآخرت کی کامیابی کا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کا حامی وناصر ہو،آمین یارب العالمین!

نور العیون فی تلخیص سیرۃ الامین المامون صلی اللہ علیہ وسلم (آخری قسط)

علامہ ابن سید الناس رحمہ اللہ تعالیٰ
مترجم: ڈاکٹر ضیاء الحق قمر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے چند ایک کا بیان:

کھجور کے درختوں کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ اللہ کے رسول تمہیں ایک جگہ اکٹھا ہونے کا کہہ رہے ہیں (تاکہ پردہ ہوجائے) یہ سن کر سب درخت اکٹھے ہوگئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاجت سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی صحابی سے فرمایا کہ درختوں کو اپنی جگہ لوٹنے کا کہہ دو تو وہ اپنی جگہ پر لوٹ گئے۔(۱)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما تھے کہ ایک درخت زمین چیرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کھڑا ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درخت کے بارے میں بتایا گیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس درخت نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ وہ خود آ کر مجھ پر سلام کہنا چاہتا ہے چنانچہ اللہ نے اسے اجازت دی تو یہ آیا۔(۲)

اسی طرح بعثت کی راتوں میں شجر وحجر اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَارَسُولَ اللہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر کو اب بھی جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔(۳)

کھجور کے خشک تنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رونا۔(۴)

کنکریوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی میں تسبیح پڑھنا۔ اور اسی طرح کھانے کا بھی تسبیح پڑھنا۔(۵)

پکی ہوئی بکری کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔(۶)

ایک اونٹ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کرنا کہ میرا مالک مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور چارہ کم دیتا ہے۔

ایک مرتبہ رسی میں بندھی ہوئی ہرنی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مجھے کھول دیا جائے تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا آؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھول دیا وہ (اپنے بچوں کو دودھ پلا کر) لوٹی ساتھ ہی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں مشرکین کے قتل ہونے کی جگہوں کے بارے میں بتایا چنانچہ ہر مشرک اسی جگہ پر واصل جہنم ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔(۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ایک گروہ کے بحری غزوہ کرنے کی پیشین گوئی فرمائی اور یہ بھی فرمایا

کہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا (۸) بھی ان میں شامل ہوں گی اور (حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں) ایسا ہی ہوا۔ (۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ان کو شدید مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (۱۰) چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں شہید ہوئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔ (۱۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ عزوجل اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔ (۱۲)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس رات اسود عنسی کذاب قتل ہوا (اسی وقت) اس کے قتل کی خبر دی جبکہ اس وقت وہ صنعاء میں تھا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اس کو کس نے قتل کیا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۳) سے فرمایا آپ اچھی زندگی گزارو گے اور شہادت کی موت پاؤ گے۔ (۱۴) چنانچہ آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

ایک شخص مرتد ہوکر مشرکین سے جاملا جب اس کے مرنے کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اس کو قبول نہیں کرے گا۔ (۱۵) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانے والے شخص سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ تو اس نے کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے کھانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تجھے (واقعی) اس کی استطاعت (توفیق) نہ ہو۔ (۱۶)۔

اس کے بعد اس کے ہاتھ کو منہ تک جانے کی قدرت نہ رہی۔

فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے قرب وجوار میں بت لٹکے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ کے ہاتھ میں چھڑی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس بت کی جانب اشارہ کرکے (قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ) (۱۷) فرماتے وہ بت (اس اشارہ سے ہی) گرجاتا۔ (۱۸)

اسی طرح مازن بن الغضوبہ الطائی اور سواد بن قارب رضی اللہ عنہما (۱۹) کے قصے اور ان جیسے اور بھی قصے ہیں۔

ایک گوہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینا۔

غزوہ خندق کے موقع پر ایک صاع (۲۰) جو کے ساتھ ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سیر ہوکر کھانا کھانے کے بعد بھی کھانا پہلے سے زیادہ باقی تھا۔ (۲۱)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی کھجوریں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھلائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زادراہ کو دسترخوان پر جمع کر کے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر اس کو تمام لشکر میں تقسیم کیا تو وہ سب کے لیے کافی ہوگیا۔

ایک موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ میں چند کھجوریں لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برکت کی دعا کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں سے کئی وسق کھجور خرچ کی اور خود بھی اس میں سے کھاتے رہے اور یہ برکت حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک باقی رہی۔ (۲۲)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب صفہ کو ایک پیالہ ثرید پر بلایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب اصحاب صفہ جانے لگے تو میں اس انتظار میں رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی بلائیں گے جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو پیالہ میں صرف اتنا بچا جو کناروں پر لگا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے ہوئے کو اپنے دست مبارک سے اکٹھا کیا تو وہ ایک لقمہ بنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی انگلیوں پر رکھا اور مجھے حکم فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر اسے کھاؤ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس ایک لقمہ سے ہی کھاتا رہا یہاں تک کہ میں سیر ہوگیا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سے پانی پیا اور وضو کیا جبکہ ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ (۲۳)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی کا پیالہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنی انگلیاں ڈالنا چاہیں تو اتنی گنجائش نہ تھی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار انگلیاں ڈالیں تو ان سے پانی جاری ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ، سب آئے اور انہوں نے وضو کیا ان لوگوں کی تعداد 70 سے 80 کے درمیان تھی۔ (۲۴)

غزوہ تبوک کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک جگہ پانی پر گزر ہوا۔ وہ پانی اتنا کم تھا کہ ایک آدمی کے لیے بھی ناکافی تھا۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیاسے تھے تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی کے ناکافی ہونے کا بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر اس پانی میں گاڑ تو پانی بہہ نکلا تمام لشکر اس سے سیراب ہوا۔ اور وہ لشکر 30 افراد پر مشتمل تھا۔

ایک مرتبہ ایک قوم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے پانی کے کھارے ہونے کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ان کے کنویں پر تشریف لے گئے اور کنویں میں اپنا لعاب دہن ڈالا تو اس کی برکت سے کنویں سے میٹھا پانی پھوٹ پڑا۔

ایک مرتبہ ایک عورت اپنے بچے کو لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ بچہ گنجے پن کے مرض میں مبتلا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا مرض جاتا رہا اور سر پر پورے بال آ گئے۔ جب اہل یمامہ کو اس معجزہ کی خبر پہنچی تو ایک عورت اسی طرح اپنے بچے کو لے کر مسیلمہ کذاب کے پاس لے گئی مسیلمہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو بچے کے سر پر موجود بال بھی جاتے رہے اور یہ گنجا پن اس کی نسل میں بھی باقی رہا۔

غزوہ بدر میں جب حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲۵) کی تلوار ٹوٹ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لکڑی کی ایک شاخ دی جوان کے ہاتھ میں آکر تلوار بن گئی اور وہ تلوار ان کے پاس ہمیشہ رہی۔

غزوہ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی کے دوران ایک اتنی سخت چٹان آ گئی کہ جس پر کدال اثر نہیں کرتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ضرب لگائی تو وہ ریت کی طرح ہوگئی۔(۲۶)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ٹوٹے پاؤں پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس طرح ٹھیک ہوا کہ جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔(۲۷)

یہ نمونے کے طور پر چند معجزات ذکر کیے گئے ہیں ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو شمار سے باہر ہیں وہ تو بڑی کتاب میں بھی نہیں سما سکتے۔ان کے لیے تو کئی رجسٹر درکار ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کا بیان:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ برس کی عمر میں دنیا سے پردہ فرمایا۔بعض نے اس کے علاوہ عمر مبارک بیان کی ہے۔12 ربیع الاول بروز پیر دوپہر سے کچھ پہلے سانحہ ارتحال پیش آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ دن بیمار رہے اور بدھ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین عمل میں آئی۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا پیالہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ہاتھ ڈالتے اور چہرہ انور پر پھیرتے اور فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ (۲۸)

اے اللہ موت کی تکلیف میں میری مدد فرما۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنھا نے فرمایا: ہائے میرے باپ کی تکلیف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ تیرے باپ پر آج کے دن کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔(۲۹)

دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حبری (حِبَرۃ۔یمن کی دھاری دار چادر کا نام) کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔(۳۰) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کپڑے سے ڈھانپا۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے پریشانی کے عالم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کو

جھٹلایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کیا۔ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز بند ہوگئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدت غم سے زمین پر ہی بیٹھ گئے۔ حضرت عباس اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے اس صدمہ کو حوصلہ اور تحمل سے برداشت کیا۔

پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حجرہ کے دروازے سے آواز سنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل نہ دیا جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ ہیں۔ پھر ایک اور آواز آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا جائے، پہلی آواز شیطان کی تھی اور میں خضر ہوں۔ اور انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دی اور فرمایا کہ اللہ کی طرف سے ہر مصیبت میں صبر کی تلقین کی ہے۔ اور ہر جانے والے کا خلیفہ ہوتا ہے اور ہر فوت ہونے والے کے قائم مقام کوئی نہ کوئی ہوتا ہے۔ اللہ کے ساتھ ہی جمے رہو اور اسی سے امید رکھو۔ تحقیق مصیبت زدہ تو وہ ہے جو (مصیبت پر بے صبری کر کے) اجر سے محروم رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو غسل دینے کے بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف رائے ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس سمیت غسل دیا جائے یا لباس ہٹا کر تو اللہ نے ان پر نیند کی کیفیت طاری کردی اس دوران انہوں نے کسی کہنے والے کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس سمیت غسل دیا جائے، اس آواز سے صحابہ رضی اللہ عنہم بیدار ہوئے اور اسی پر عمل کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کی سعادت حاصل کرنے والے حضرت علی حضرت عباس اور ان کے دو بیٹے حضرت فضل (۳۱) اور حضرت قُثم (۳۲) حضرت اسامہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت شقران اور انصار میں سے حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہم (۳۳) تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ مبارک پر ہاتھ پھیرا لیکن کوئی چیز خارج نہ ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں بھی پاکیزہ رہے اور پاکیزہ ہی دنیا سے تشریف لے گئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگ کے تین سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ان کپڑوں میں نہ کوئی قمیض تھی اور نہ ہی عمامہ تھا بلکہ وہ ان سلے کپڑے تھے۔ (۳۴)

مسلمانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اکیلے اکیلے نماز پڑھی ان میں کوئی امام نہیں تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام شقران رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے وہ سرخ چادر بچھائی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوڑھا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد بنائی گئی اور اسے کچی مٹی کی ''نو'' اینٹوں سے ڈھانپ دیا گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس بات پر اختلاف رائے ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد والی (بغلی) قبر بنائی جائے یا سیدھی؟ تب مدینہ منورہ میں دو گورکن تھے ایک بغلی قبر بنانے والے وہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اور

دوسرے سیدھی قبر بنانے والے جن کا نام ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ تو یہ طے پایا کہ ان دونوں میں جو پہلے آئے اس سے قبر مبارک تیار کروائی جائے تو بغلی قبر بنانے والے (ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پہلے تشریف لے آئے تو انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد مبارک بنانے کی سعادت ملی (۳۵) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں بنائی گئی۔ اور وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما بھی مدفون ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعظم

تم الکتاب بعون الملک الوھاب

حواشی

(۱) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 339 (۲) المنتخب من مسند عبد بن حمید، حدیث نمبر 405 (۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر 2277، سنن ترمذی، حدیث نمبر 3624 (۴) صحیح بخاری، حدیث نمبر 918، سنن ترمذی، حدیث نمبر 505 سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1414 (۵) صحیح بخاری، حدیث نمبر 3579، سنن ترمذی، حدیث نمبر 3633 (۶) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4510 (۷) صحیح مسلم، حدیث نمبر 1779، 2873 (۸) اُسد الغابہ، ابن الاثیر: 5/36-435 (۹) صحیح بخاری، حدیث نمبر 2789، صحیح مسلم، حدیث نمبر 1912، سنن ترمذی، حدیث نمبر 1645، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2490، سنن نسائی، حدیث نمبر 3169، مؤطا الام مالک (کتاب الجہاد، باب الترغیب فی الجہاد) ص 296، 295 (۱۰) صحیح بخاری، حدیث نمبر 3674، صحیح مسلم، حدیث نمبر 2403، سنن ترمذی، حدیث نمبر 3710 (۱۱) صحیح بخاری، حدیث نمبر 2377، صحیح مسلم، حدیث نمبر 1061 (۱۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر 2789، صحیح مسلم، حدیث نمبر 1912، سنن ترمذی، حدیث نمبر 1645، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2490، سنن نسائی، حدیث نمبر 3169، مؤطا الامام مالک (کتاب الجہاد، باب الترغیب فی الجہاد) ص، 296، 295 (۱۳) اُسد الغابہ، ابن الاثیر: 1/65-263 (۱۴) الا حادو المثانی، حدیث نمبر 3399 (۱۵) صحیح بخاری، حدیث نمبر 3617، صحیح مسلم، حدیث نمبر 2781 (۱۶) صحیح مسلم، حدیث نمبر 2021، سنن دارمی، حدیث نمبر 2032 (۱۷) اُسد الغابہ، ابن الاثیر: 4/7-6 (۱۸) صحیح بخاری، حدیث نمبر 2478، صحیح مسلم، حدیث نمبر 1781 سنن ترمذی، حدیث نمبر 3138 (۱۹) اُسد الغابہ، ابن الاثیر: 2/400 (۲۰) صاع: 3.5 کلو تقریباً (۲۱) صحیح بخاری، حدیث نمبر 4102 (۲۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر 3839 (۲۳) صحیح بخاری، حدیث نمبر 4152 (۲۴) صحیح بخاری، حدیث نمبر 200، صحیح مسلم، حدیث نمبر 2279 (۲۵) اُسد الغابہ، ابن الاثیر: 3/268 (۲۶) صحیح بخاری، حدیث نمبر 4101 (۲۷) صحیح بخاری، حدیث نمبر 4039 (۲۸) صحیح بخاری، حدیث نمبر 4449، سنن ترمذی، حدیث نمبر 978، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1623 (۲۹) صحیح بخاری، حدیث نمبر 4462، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1629 (۳۰) صحیح بخاری، حدیث نمبر 5814، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1469 (۳۱) اُسد الغابہ، ابن الاثیر: 3/61-460 (۳۲) اُسد الغابہ، ابن الاثیر 3/77-476 (۳۳) اُسد الغابہ، ابن الاثیر: 1/169 (۳۴) صحیح بخاری، حدیث نمبر 1264، صحیح مسلم، حدیث نمبر 941 (۳۵) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1628

سیدتنا اُم المؤمنین خدیجۃُ الکُبریٰ رضی اللہ عنہا

علامہ محمد عبداللہ رحمہ اللہ (احمد پوری)

قبیلہ قریش سے تعلق ہے، مکہ کے بڑے متموّل لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، بلکہ ان کا نام سرفہرست ہے۔ عمر چالیس سال ہے، گویا جوانی کی حدود سے نکل چکی ہیں، خاندانی عزت کے علاوہ اپنے بلند اور پاکیزہ کردار کی وجہ سے ''طاہرہ'' کے پیارے لقب سے پکاری جاتی ہیں۔

دوسری طرف، عبدالمطلب کے یتیم پوتے، ابوطالب کے بھتیجے، محمد بن عبداللہ اپنی نیک نفسی، راست بازی اور امانت داری کی وجہ سے مثالی شخصیت بن چکے ہیں۔ پچیس سال عمر ہے۔ اٹھتی ہوئی جوانی اور پھر اس پر رعنائی و دلفریبی کا یہ عالم کہ بولیں تو پھول جھڑیں، چلیں تو سراپا وقار و تمکنت، شرم و حیا کے پیکر اور اخلاق حسنہ کے مجسمہ ہیں۔ بقول حسان بن ثابت کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَاتَشَاءُ یعنی صورت اور سیرت کے لحاظ سے اپنی مرضی کے مطابق سانچے میں ڈھلے ہوئے۔ اگر خواہش کریں تو مکہ کی حسین ترین دوشیزائیں ان کی رفاقت میں آنے پر فخر کریں، لیکن واہ رے نصیب اس چہل سالہ طاہرہ طیبہ کے! اپنا سامان تجارت، ابوطالب کے بھتیجے کو دے کر روانہ کرتی ہیں وہ واپس آتے ہیں تو ان کی امانت و دیانت سے اتنی متاثر ہوتی ہیں کہ خود ہی عقد کے لیے درخواست کرتی ہیں۔ سن و سال میں تناسب نہیں ہے، مزید یہ کہ دو خاوندوں سے بیوہ ہو چکی ہیں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناکتخدا (کنوارے) ہیں بظاہر کوئی جوڑ نہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہیں۔ مکہ کے دستور کے مطابق عقد کی تکمیل ہوتی ہے، ابوطالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور یوں سیدہ خدیجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات بن گئیں۔ رفاقت خوب نبھی، سیدہ خدیجہ نے وفاداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کے بطن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صاحب زادے، حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ (جن کے لقب طاہر اور طیب بھی ہیں) اور چار صاحب زادیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن ہوئیں۔

شادی کے بعد پندرہ سال کا عرصہ بیت گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور رسالت کے منصب عالی پر سرفراز فرمایا گیا (تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھیے) دعوت کا سلسلہ شروع ہوا تو علی الاطلاق سب سے پہلے لبیک کہنے والی یہی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ طاہرہ ہیں (**علیھا وعلی سائر امھات المومنین سلام اللّٰہ و رضوانہ**) یوں سیدہ طاہرہ کو خاتون اول اور امت مسلمہ کی پہلی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ زہے نصیب!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دس سال تک بقید حیات رہیں، ان دس سالوں میں مسلمانوں اور خود ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی جفا کاریاں اور ستم رانیاں بالعموم معلوم ہیں۔ اس عرصہ

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب حتی المقدور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سپر بنے رہے وفا شعار رفیقۂ حیات نے خدمت گزاری اور غم گساری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اللہ کی مرضی کہ بعثت کے دسویں سال پہلے چچا ابوطالب فوت ہو گئے اور پھر چند ہی روز بعد رفیقۂ حیات داغ مفارقت دے گئیں اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام زندگی جس تلخی ترشی سے گزر رہے تھے، اس پر مستزاد یہ صدمے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا۔

ماہ وسال گزرتے رہے، گردش لیل ونہار، گونا گوں انقلابات سے دوچار کرتی رہی، مگر سیدہ خدیجہ کی یاد کبھی قلب اقدس سے نہ گئی۔

آتی رہیں گی یاد ہمیشہ وہ صحبتیں ڈھونڈا کریں گے ہم تمہیں فصل بہار میں

جب تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ ان کی وفات کے بعد، بعض احباب کے مشورے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ازدواجی تعلق، ہجرت کے بعد ہوا۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے کسی پر اتنا رشک نہیں آتا تھا جتنا کہ بی بی خدیجہ پر آتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے ان کا ذکر فرماتے اور جب گھر میں کوئی خاص چیز پکتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سہیلیوں کو بھجوایا کرتے تھے۔ ایک دن تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ گزریں ''آپ بار بار اس بڑھیا کو کیوں یاد کرتے ہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیویاں دی ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراض ہو کر جواب میں ارشاد فرمایا۔ تم نہیں جانتی وہ اس وقت مجھ پر ایمان لے آئیں، جبکہ ایک بھی میرا ماننے والا نہیں تھا۔ اس نے اس وقت میری تصدیق کی، جب کہ لوگ میری تکذیب کر رہے تھے۔ اس نے اس وقت اپنا مال میرے سپرد کر دیا جب کہ لوگ مجھ سے دور بھاگتے تھے۔ پھر اللہ نے اس سے مجھے صاحب اولاد کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے دل میں طے کر لیا کہ آئندہ کبھی ان کا ذکر برائی سے نہ کروں گی۔ ایک مرتبہ جبرئیل امین علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا بی بی خدیجہ آپ کے پاس آ رہی ہیں ان کے ہاتھ میں کوئی برتن ہے، جس میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہے۔ وہ پہنچ جائیں تو انہیں اللہ رب العزت کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہیے۔ **وبشرھا ببیت فی الجنة من قصب لا صخب فیہ و لا نصب** (بخاری شریف ص۵۳۹ ج ا مسلم شریف ص۲۸۴ ج ۲)

اور انہیں خوش خبری سنا دیجئے کہ ان کے لیے بہشت میں ایک گھر جوف دار (اندر سے خالی) موتیوں سے بنا ہوا ہے جس میں نہ کوئی شور و غل ہو گا نہ کوئی تکان۔

بشارتیں اور حضرات وخواتین کو بھی ملی ہیں، لیکن جس شان سے خوشخبری کا یہ پروانہ سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے نام آیا ہے یہ انہی کا حصہ ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ قرون گذشتہ کی بہترین خاتون سیدہ مریم علیہا السلام تھیں۔ اور اس امت کی بہترین خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ هَنِيْئًا لَکِ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ سَلَامُ اللّٰهِ وَرِضْوَانُه عَلَيْكِ

نوآبادیاتی ماحول میں مُلّا اور مسٹر کا کردار

مولانا زاہد الراشدی

یہ ہمارے معاشرتی مزاج اور روایات کا حصہ ہے کہ گھر کے آٹھ دس افراد میں سے جو ''کاما'' ہوتا ہے اسے ہی گھر کے تمام کاموں کا ذمہ دار سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ گھر کا جو فرد خود محنت اور مشقت کا عادی بن کر مختلف کاموں کو نمٹانا شروع کر دیتا ہے گھر کے دوسرے افراد سارے کام اسی کے کھاتے میں ڈال کر خود کو ہر کام سے فارغ سمجھ لیتے ہیں۔ پھر اس غریب کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے کوئی کام سرانجام دینے کا کریڈٹ تو کبھی نہیں ملتا، البتہ جو کام نہیں ہو پاتا اس کا الزام یہ دیکھے بغیر اس ''کامے'' پر لگا دیا جاتا ہے کہ یہ اس کے کرنے کا تھا بھی یا نہیں، اور اس کام کے لیے اس کے پاس وقت بھی تھا یا نہیں۔ حتیٰ کہ اسے اپنے اس بھائی کی خشمگیں نگاہوں کا سامنا بھی کرنا پڑ جاتا ہے جو سارا دن لمبی تان کر سویا رہتا ہے اور جب آنکھ کھلتی ہے تو اس ٹوہ میں لگ جاتا ہے کہ ''کامے'' بھائی کی کوئی کوتاہی سامنے آئے تو اس کے لتے لینے کا موقع ہاتھ آئے۔

یہی حال بے چارے ''ملا'' کا ہے جو اس جرم میں امت مسلمہ کی ہر ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا ہے کہ اس نے معاشرتی تقسیم کار میں اپنے حصے کی ڈیوٹی ادا کرنے میں کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی اور جو کام اس کے ذمے تھا وہ اس نے ہر مصیبت برداشت کر کے اور ہر رکاوٹ عبور کر کے بہر حال پورا کر دیا ہے۔ اس ستم ظریفی کا صحیح طور پر اندازہ کرنے کے لیے ذرا اس فہرست پر نظر ڈال لیجئے جو ملا کی ناکامیوں کے نام پر بار بار دہرائی جا رہی ہے اور اچھے خاصے پڑھے لکھے دوست بھی سوچے سمجھے بغیر اسی کا تکرار کیے چلے جا رہے ہیں کہ

☆ امت مسلمہ سائنسی ترقی میں باقی اقوام سے بہت پیچھے رہ گئی ہے، اس کا ذمہ دار ملا ہے۔

☆ امت مسلمہ اپنے معاشی وسائل سے استفادہ نہیں کر سکی اور ان پر اپنا کنٹرول قائم نہیں رکھ سکی، اس کی ذمہ داری ملا پر عائد ہوتی ہے۔

☆ امت مسلمہ اپنے دفاع اور عسکری صلاحیت میں دوسری اقوام کے ہم پلہ نہیں ہے، یہ بھی ملا کا قصور ہے۔

☆ امت مسلمہ کو آج کی ٹیکنالوجی پر گرفت حاصل نہیں ہے، یہ کوتاہی بھی ملا کے کھاتے میں ہے۔

☆ امت مسلمہ اپنی سیاسی وحدت و مرکزیت قائم نہیں رکھ سکی اور انتشار و انارکی کا شکار ہو گئی ہے، یہ بھی ملا کی نا اہلی کا نتیجہ ہے۔

غرضیکہ امت مسلمہ کی ہر ناکامی اور کوتاہی ملا کے کھاتے میں ہے گویا کہ امت میں اسی ایک طبقے کا وجود باقی رہ گیا تھا اور باقی کسی کے ذمے کوئی کام نہیں تھا۔

ملا پر ''چاند ماری'' کی مشق کرنے والے ان دانشوروں کو ایک شکایت یہ بھی ہے کہ آمریت اور ملائیت کا باہمی تعلق اور

رشتہ استوار ہو گیا تھا، اس لیے امت کی ساری خرابیاں ان کے نزدیک اسی کا نتیجہ ہیں۔ لیکن تاریخ میں شاید یہ بات ان کی نظر سے نہیں گزری کہ امت مسلمہ میں ملائیت کے چار میں سے تین بڑے نمائندوں یعنی ائمہ اربعہ میں سے تین امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ وہ ہیں جنہوں نے آمریت سے براہ راست ٹکرلی ہے اور اپنی پشتوں پر آمروں کے کوڑے کھائے ہیں۔ حتیٰ کہ سب سے بڑے امام کو تو جیل میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔ اور پھر آمریت اور مطلق العنانی سے ہر دور میں ٹکرانے والے ملاؤں کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام مالکؒ کی سنت کو ہر دور میں زندہ رکھا ہے۔

اس مختصر مضمون میں اس فہرست کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کی بھی گنجائش نہیں ہے البتہ حوالہ کے لیے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ضخیم کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کا مطالعہ کرنے کی سب دوستوں کو دعوت دوں گا جو کئی جلدوں میں ہے اور اس میں چودہ سو سال کے ان ملاؤں کا تاریخ کے حوالے کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے آمریت کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کی بجائے اسے للکارا اور قربانی و ایثار کے ہر مرحلے سے باوقار طور پر گزر گئے۔ خود ہمارے برصغیر میں اکبر بادشاہ کی آمریت والحاد کو مسترد کرنے والے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ بھی ملا تھے اور فرنگی اقتدار سے ٹکرا کر کالا پانی کا جزیرہ آباد کرنے والے اور درختوں کی ٹہنیوں پر ہزاروں کی تعداد میں سولیاں پانے والے مولوی بھی اسی ملائیت کا حصہ تھے جسے آمریت کا ساتھی قرار دے کر امت کی ہر ناکامی اور رسوائی کو اس کے حساب میں لکھا جا رہا ہے۔

امت کی ہر خرابی کو ملا کے نام لکھنے والے ان دانشوروں سے ایک سوال کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن پہلے اس کا پس منظر دیکھ لیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے ہمارے جدید پڑھے لکھے اور دانشور کہلانے والے حضرات نے خود یہ کہہ کر ملا کو پیچھے دھکیل دیا تھا کہ معاشرے کی اجتماعی قیادت اس کا کام نہیں ہے۔ بس وہ آرام سے گھر بیٹھے جبکہ یہ کام اب ہم کریں گے۔ چنانچہ ملا نے اپنے بھائیوں کی یہ بات مانتے ہوئے ان کے لیے میدان کھلا چھوڑ کر اپنے ذمے یہ کام لے لیا تھا کہ امت کے اجتماعی کام آپ سنبھالیں، ہم قرآن وسنت کی تعلیمات اور علوم کو باقی رکھنے اور امت کی اگلی نسلوں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ اور پھر یہ ڈیوٹی اپنے ذمے لے کر ملا نے ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے خود کو مسجد و مدرسہ تک محدود کر لیا تھا۔ البتہ اس کے ساتھ وہ برٹش حکمرانوں کے خلاف غم وغصہ اور نفرت کے اظہار کے حق سے کبھی دستبردار نہیں ہوا اور جب موقع ملا اس پر ضرب لگانے سے بھی گریز نہیں کی۔ مگر اس طبقہ نے اپنے ذمہ بنیادی کام یہ رکھا کہ قرآن وسنت اور ان سے متعلقہ علوم کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں اگلی نسلوں تک منتقل کر دے۔

دوسری طرف جدید علوم اور معاشرتی امور میں امت کی رہنمائی کا کام ایک نئے طبقے نے سنبھال لیا تھا۔ یہ تقسیم کار ملا نے نہیں کی تھی بلکہ اس کے سر تھوپی گئی تھی جسے اس نے قبول کر کے اپنے حصے کا کام سنبھالا تھا۔ سوال یہ ہے کہ آج اگر اس تقسیم کار میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ اپنے حصے کا کام سرانجام نہیں دے سکا اور گزشتہ ڈیڑھ سو برس میں مغربی آقاؤں کی ناز برداری اور ان کے ایجنڈے کی تکمیل کے سوا کوئی کام نہیں کر پایا تو اپنی اس ناکامی کا طوق ملا کے گلے میں کیوں ڈال رہا ہے؟ ملا نے تو اپنا کام کر دکھایا ہے کہ آج قرآن وسنت کے علوم اور اسلامی روایات واقدار کے پرچار کے حوالے سے جنوبی

ایشیا کا یہ خطہ دنیائے اسلام میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ لیکن چونکہ سائنس وٹیکنالوجی، معیشت، سیاست اور معاشرتی قیادت 1857ء کے بعد ''مسٹر'' نے اپنے ہاتھ میں لی تھی اس لیے ان شعبوں میں ناکامی کا ذمہ دار بھی مسٹر ہی ہے۔ اور اگر وہ ملا کو طعنہ دے کر اپنی ان ناکامیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ تاریخ کی کسوٹی بالآخر کھرے اور کھوٹے کو الگ کر دیتی ہے اور شاید اس کا وقت بھی اب زیادہ دور نہیں رہا۔

☆......☆......☆

مسافرانِ آخرت

☆ نبیرہ امیر شریعت سید عطاء اللہ ثالث بخاری (ڈپٹی سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان) کی خوش دامن صاحبہ 12 مئی کو کراچی میں انتقال کر گئیں۔ مرحومہ، حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے برادر حافظ سید عطاء الرحمٰن شاہ بخاری رحمہ اللہ کی بہو تھیں۔

☆ وفاق المدارس العربیہ ملتان کے مسؤل مولانا محمد نواز (جامعہ قادریہ حنفیہ) کی دختر گزشتہ ماہ انتقال کر گئیں

☆ مجلس احرار اسلام ڈسکہ کے امیر حاجی ذوالفقار احمد بھٹو کے والد خورشید علی مرحوم۔ انتقال: 12 مئی

☆ انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے رہنما قاری شبیر احمد عثمانی کی ہمشیر گزشتہ ماہ انتقال کر گئیں

☆ مجلس احرار اسلام حلقہ بستی معصوم شاہ 17 کسی ملتان کے امیر ڈاکٹر عبدالغفور کے والد ماجد جناب پیر بخش رحمہ اللہ انتقال: 24 رمضان / 18 مئی ☆ جمعیت علماء اسلام ملتان کے سرپرست قاری محمد طسین کے ماموں، ملک محمد فاروق کے والد حاجی محمد عاشق رحمہ اللہ انتقال: 24 رمضان / 18 مئی

☆ جناب پروفیسر سعید عاطف کے برادر نسبتی، مولانا شیخ ایاز رحمہ اللہ، شیخ التفسیر جامع ابی بکر کراچی۔ انتقال 3 مئی

☆ مدرسہ معمورہ کے چوکیدار محمد تنویر کے دادا، انتقال کر گے ہیں 23 / رمضان 1441ھ / 17 مئی 2020ء

☆ چیچہ وطنی: محمد سہیل مان (چک نمبر 109-12 ایل) کی والدہ ماجدہ چند ہفتے قبل انتقال فرما گئیں۔

☆ ساہیوال: جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے مہتمم مولانا کلیم اللہ رشیدی اور جناب قاری منظور احمد طاہر کے فرزند زاہد محمود کی خوش دامن گزشتہ دنوں انتقال کر گئیں۔

☆ چیچہ وطنی: تبلیغی مرکز چیچہ وطنی کے مقیم اور ہمارے مہربان ڈاکٹر نصیر احمد 15۔ مئی جمعۃ المبارک کو انتقال کر گئے۔ مرحوم کی نماز جنازہ 16 مئی کو تبلیغی مرکز میں ادا کی گئی جبکہ دوسری نماز جنازہ ان کے آبائی گاؤں چک نمبر 37-12 ایل میں ہوئی جو مرحوم کے فرزند مولانا محمد بلال عاصم نے پڑھائی۔

قارئین سے التماس ہے کہ مرحومین کے لیے مغفرت اور ورثاء کے لیے صبر جمیل اور نعم البدل کی دعا سے مدد فرمائیں۔

☆......☆......☆

جماعتِ احمدیہ اور شدت پسندی

منصور اصغر راجہ

جماعتِ احمدیہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عقائد و نظریات میں بے حد متشدد واقع ہوئی ہے۔ خاص طور پر ہر وہ شخص جماعتِ احمدیہ کے نزدیک لائقِ عتاب ہے جو اُس کے بانی کی خانہ ساز نبوت پر ایمان نہ لائے۔ قادیانیوں کے نزدیک ایسے شخص کی نماز جنازہ میں شرکت اور اس کے لیے دعائے مغفرت ہرگز جائز نہیں ہے۔ شدت پسندی کے الزام میں مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر تو مفت میں بدنام ہیں، وگرنہ جیسی شدت پسندی اور انتہا پسندی جماعتِ احمدیہ کے ہاں پائی جاتی ہے، اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس جماعت کی شدت پسندی اور انتہا پسندی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ بانی جماعتِ احمدیہ مرزا قادیانی اُس شخص کا جنازہ پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے جو اُن کی خانہ ساز نبوت پر ایمان نہ لایا ہو اور اس سلسلے کی پہلی مثال انہوں نے اپنے گھر سے قائم کی تھی۔

مرزا قادیانی کے اپنی پہلی بیوی حرمت بی بی دختر مرزا جمعیت بیگ سے دو بیٹے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد تھے۔ سیرت المہدی جدید میں نقل کی گئی روایت نمبر سینتیس (37) کے مطابق بانی جماعتِ احمدیہ کی بسیار کوشش کے باوجود جب مرزا احمد بیگ کی بیٹی محمدی بیگم کی شادی دوسری جگہ ہوگئی اور سب قریبی رشتے داروں نے اس سلسلے میں مرزا احمد بیگ کا ساتھ دیا، تو اس پر سیخ پا بانی جماعتِ احمدیہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو الگ الگ خط لکھا کہ ان سب لوگوں نے میری سخت مخالفت کی ہے، اب ان کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا اور ان کے ساتھ اب ہماری قبریں بھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا اب تم اپنا آخری فیصلہ کرو۔ اگر تم نے میرے ساتھ تعلق رکھنا ہے تو پھر ان سے قطع تعلق کرنا ہوگا اور اگر ان سے تعلق رکھنا ہے تو پھر میرے ساتھ تمھارا کوئی تعلق نہیں رہ سکتا۔ میں اس صورت میں تم کو عاق کرتا ہوں۔ اس پر مرزا سلطان احمد نے تو باپ کو صاف جواب دے دیا۔ دوسرے بیٹے مرزا فضل احمد پولیس میں سب انسپکٹر تھے اور ان کی پوسٹنگ ملتان میں تھی۔ وہ اپنے والد کے اتنے فرمانبردار تھے کہ انہوں نے جوابی خط میں انہیں لکھا کہ میرا تو آپ کے ساتھ ہی تعلق ہے، ان (محمدی بیگم کے والد کا ساتھ دینے والے رشتے داروں) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (اس پر) حضرت صاحب نے مرزا فضل احمد کو جواب دیا کہ تو اپنی بیوی بنت مرزا علی شیر کو (جو سخت مخالف تھی اور مرزا احمد بیگ کی بھانجی تھی) طلاق دے دو۔ مرزا فضل احمد نے فوراً طلاق نامہ لکھ کر حضرت صاحب کے پاس ارسال کر دیا۔ (سیرت المہدی جدید، جلد اول، حصہ اول، صفحہ 26)

کتاب ''انوار العلوم'' مرزا بشیر الدین محمود کی تقاریر و کتب کا مجموعہ ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی مرزا فضل احمد کے متعلق بیان کرتے ہیں:

''آپ (بانی جماعتِ احمدیہ) کا ایک بیٹا (مرزا فضل احمد) فوت ہوگیا جو آپ کی زبانی طور پر تصدیق بھی کرتا

تھا۔ جب وہ مرا تو مجھے یاد ہے کہ آپ ٹہلتے جاتے اور فرماتے کہ اس نے کبھی شرارت نہ کی تھی بلکہ میری فرمانبرداری میں ہی رہا ہے۔ ایک دفعہ میں سخت بیمار ہوا اور شدتِ مرض میں مجھے غش آ گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے پاس کھڑا نہایت درد سے رورہا تھا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ میری بڑی عزت کیا کرتا تھا لیکن آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا، حالانکہ وہ اتنا فرمانبردار تھا کہ بعض احمدی بھی نہ ہوں گے۔ محمدی بیگم کے متعلق جب جھگڑا ہوا تو اس کی بیوی اور اس کے رشتہ دار بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حضرت صاحب نے اس کو فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ اس نے طلاق لکھ کر حضرت صاحب کو بھیج دی کہ آپ کی جس طرح مرضی ہے، اسی طرح کریں۔ لیکن باوجود اس کے جب وہ مرا تو آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا''۔ (انوار خلافت، انوار العلوم، جلد 3، صفحہ 149)۔ یہاں مرزا محمود کا یہ جملہ ''جو آپ کی زبانی طور پر تصدیق بھی کرتا تھا'' محلِ نظر ہے۔ مرزا فضل احمد اور ان کی نماز جنازہ کے متعلق بیان کردہ قادیانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا فضل احمد اپنے والد مرزا غلام احمد قادیانی کی بطور باپ تو بے حد عزت کرتے تھے لیکن بطور نبی ان پر ایمان نہیں لائے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو بانی جماعتِ احمدیہ ان کی نماز جنازہ میں ضرور شرکت کرتے۔ اب ذرا مرزا فضل احمد کی نماز جنازہ کا احوال بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جماعتِ احمدیہ کے سرکاری ترجمان ''الفضل'' بابت 22 اپریل تا 2 مئی 1941ء میں چھپنے والے ایک مضمون میں مرزا قادیانی کے منجھلے صاحبزادے مرزا بشیر احمد بیان کرتے ہیں:

''مرزا فضل احمد صاحب کے جنازے کے ساتھ سید ولایت شاہ صاحب موصوف بھی قادیان میں تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ ساتھ گئے تھے یا پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مرزا فضل احمد صاحب کے دفن کرنے اور جنازہ پڑھنے سے قبل حضرت مرزا غلام احمد صاحب (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) نہایت کرب واضطراب کے ساتھ باہر ٹہل رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو اس کی وفات سے حد درجہ تکلیف ہوئی ہے۔ اسی امر سے جرات پکڑ کر میں خود حضور کے پاس گیا اور عرض کیا کہ حضور وہ آپ کا لڑکا تھا۔ بے شک اس نے حضور کو خوش نہیں کیا، لیکن آخر آپ کا لڑکا تھا، آپ معاف فرمائیں اور اس کا جنازہ پڑھیں۔ اس پر حضرت صاحب نے فرمایا نہیں شاہ صاحب وہ میرا فرمانبردار تھا۔ اس نے مجھے کبھی ناراض نہیں کیا لیکن اس نے اپنے اللہ کو راضی نہیں کیا تھا۔ اس لیے میں اس کا جنازہ نہیں پڑھتا، آپ جائیں اور پڑھیں۔ شاہ صاحب کہتے تھے کہ اس پر میں واپس آ گیا اور جنازہ میں شریک ہوا''

مذکورہ بالا اقتباس میں موجود مرزا قادیانی کے الفاظ ''اس نے مجھے کبھی ناراض نہیں کیا لیکن اس نے اپنے اللہ کو راضی نہیں کیا'' سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ نجانے مرزا فضل احمد سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا جس کے سبب ان کا ربّ ان سے خفا ہو گیا، اور اسی لیے ان کے والد تک نے بھی ان کی نماز جنازہ میں شرکت گوارا نہ کی۔ لیکن جماعتِ احمدیہ کے ترجمان اخبار ''الفضل'' کا بھلا ہو، جس نے اس راز سے بھی پردہ اٹھا دیا کہ ''حضرت مرزا صاحب نے اپنے بیٹے (فضل احمد صاحب) مرحوم کا جنازہ محض اس لیے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھا'' (الفضل، قادیان، 15 دسمبر 1921ء)۔ واضح رہے کہ مرزا فضل احمد کا انتقال 1904 میں ہوا۔

اس سلسلے میں دوسری بڑی مثال سرمیاں فضل حسین کی ہے جو متحدہ پنجاب کے معروف سیاسی رہنما اور یونینسٹ پارٹی پنجاب کے بانیوں میں سے تھے۔ سرفضل حسین 1877ء میں پشاور میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد میاں حسین بخش ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے طور پر فرائض انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کے بعد کیمبرج یونیورسٹی برطانیہ سے قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ پنجاب میں تعلیم، صحت اور بلدیات کے وزیر رہے۔ وائسرائے ایگزیکٹو کونسل کے رکن رہے۔ اگر زندگی وفا کرتی تو 1937ء کے صوبائی انتخابات کے بعد وہ متحدہ پنجاب کے پہلے وزیر اعظم بنتے۔ لیکن کاتبِ تقدیر نے یہ عہدہ سرسکندر حیات کے نصیب میں لکھ رکھا تھا۔ سرفضل حسین کا الیکشن سے کچھ ہی پہلے جولائی 1936 میں انتقال ہوگیا۔

جماعتِ احمدیہ کی سرکاری تاریخ ''تاریخ احمدیت'' کے مطابق بانی جماعتِ احمدیہ سے سرفضل حسین کی پہلی ملاقات 1908ء میں مرزا قادیانی کے آخری سفر لاہور کے دوران ہوئی۔ جماعتِ احمدیہ کے سرکاری مورخ مولوی دوست محمد شاہد قادیانی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے مشہور روشن خیال سیاسی لیڈر فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء (متوفی ۱۹۳۶) ایک دوسرے بیرسٹر کے ہمراہ ملاقات کے لیے ۱۵ مئی کو حاضر ہوئے۔ مسٹر فضل حسین صاحب نے متعدد سوالات کیے جن کا حضورؑ نے مفصل جواب دیا''۔ (تاریخ احمدیت، جلد دوم، صفحہ 529، سنِ اشاعت 2007ء)

سرفضل حسین جماعتِ احمدیہ کے لیے کافی نرم گوشہ رکھتے تھے۔ 1935ء میں وہ جب وائسرائے ایگزیکٹو کونسل کی رکنیت سے فارغ ہوئے تو ان کی جگہ پر سرظفراللہ قادیانی کا تقرر ہوا۔ ظفراللہ قادیانی کو وائسرائے ایگزیکٹو کونسل کی رکنیت سرفضل حسین کے طفیل ہی حاصل ہوئی تھی جس کی پوری تفصیل مولانا عبدالمجید سالک نے اپنی آپ بیتی ''سرگزشت'' میں بیان کی ہے کہ سرفضل حسین نے ظفراللہ قادیانی کو وائسرائے ایگزیکٹو کونسل کا رکن بنوانے کے لیے کیا کردار ادا کیا تھا۔ 1936ء میں سرفضل حسین کے انتقال پر جماعتِ احمدیہ میں بھی اعلیٰ سطح پر سوگ منایا گیا، اور ان کی ذاتی شخصی خوبیوں اور کامیابیوں کو بھی جماعتِ احمدیہ کا فیضان قرار دینے کی سعی کی گئی۔ مرزا بشیرالدین محمود نے 10 جولائی 1936ء کو خطبہ جمعہ کے موقع پر سرفضل حسین کی وفات کو الٰہی نشان قرار دیتے ہوئے کہا:

''موت تو سرمیاں فضل حسین کی جولائی میں مقدر تھی اور پہلے عہدہ سے علیحدگی کے بعد ان کے لیے بظاہر کوئی چانس اور موقع ایسا نہ تھا جس میں وہ پھر کوئی عزت حاصل کرسکتے۔ مگر ان کے دشمنوں نے چونکہ انہیں ''مرزائیت نواز'' کہہ کر ذلیل کرنا چاہا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کی غیرت میں انہیں عزت دی اور عزت دینے کے بعد انہیں وفات دی۔ اس کے لیے خدا تعالیٰ نے کتنے ہی غیر معمولی سامان پیدا کیے۔ چنانچہ پنجاب کے وزیر تعلیم سرفیروز خان نون کے انگلستان جانے کا بظاہر کوئی موقع نہ تھا۔ اور جن کو اندرونی حالات کا علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ آخری وقت تک سرفیروز خان صاحب نون کے ولایت جانے کے متعلق کوئی یقینی اطلاع نہ تھی۔ بعض اور لوگوں کے لیے گورنمنٹ آف انڈیا

اور ولایتی گورنمنٹ بھی کوشش کر رہی تھی۔ اور اگر سر فیروز خان پنجاب میں ہی رہتے تو اب سر فضل حسین صاحب بغیر کسی عہدہ کے حاصل کرنے کے دنیا سے رخصت ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بتانا چاہتا تھا کہ جو شخص احمدیت کی خاطر اپنے اوپر کوئی اعتراض لیتا ہے، ہم اسے بھی بغیر عزت دیئے فوت نہیں ہونے دیتے۔ پس غیر معمولی حالات میں سر فیروز خان صاحب نون ولایت گئے اور سر میاں فضل حسین صاحب وزیر تعلیم مقرر ہو گئے اور چند دنوں کے بعد ہی وفات پا گئے۔ میرے نزدیک یہ بھی خدائی حکمت اور خدائی مکر تھا جو دشمنوں کو یہ بتانے کے لیے اختیار کیا گیا کہ تم تو اس کے دشمن ہو اور چاہتے ہو کہ اسے ذلیل کرو۔ لیکن ہم اس کو بھی ذلیل نہیں ہونے دیں گے جو گو احمدی نہیں لیکن احمدیت کی وجہ سے وہ لوگوں کے مطاعن کا ہدف بنا ہوا ہے'' (تاریخ احمدیت، جلد ہفتم، صفحہ نمبر 315، سنِ اشاعت 2007ء)۔

اس خطبے میں قابل غور بات یہ ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود نے بڑی عیاری سے سر میاں فضل حسین کی سیاسی کامیابیوں کا ذکر کر کے قادیانیت کی حقانیت ثابت کرنے کی سعی کی ہے لیکن سر فضل حسین کے لیے دعائے مغفرت کی زحمت نہیں کی کیونکہ انہوں نے اپنے خطبہ میں خود ہی بتا دیا کہ سر فضل حسین مرزائیوں کے لیے نرم گوشہ ضرور رکھتے تھے لیکن بذات خود قادیانی نہیں تھے، اور غیر قادیانی کی نماز جنازہ میں شرکت تو درکنار، جماعتِ احمدیہ ایسے شخص کے لیے دعائے مغفرت کو بھی جائز نہیں سمجھتی۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ پر تمام تر احسانات کے باوجود قادیانیوں نے سر میاں فضل حسین کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی۔

سر فضل حسین کو بٹالہ (مشرقی پنجاب) میں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ پروفیسر الیاس برنیؒ اپنی کتاب ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' کے پہلے حصے کی دسویں فصل بعنوان ''قادیانی صاحبان اور مسلمانانِ دین وملت'' میں سر فضل حسین کی نماز جنازہ کے سلسلے میں پھلواری شریف کے مقامی اخبار ''نقیب'' کا حوالہ لائے ہیں جو اس سلسلے میں لکھتا ہے:

''عام مسلمانوں اور اسلامی اخبارات کی رائے ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ ان کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس دعویٰ کا تازہ ثبوت خود قادیانیوں نے بھی بہم پہنچا دیا۔ سر فضل حسین کا انتقال ہوا جو قادیانیوں کے محسنِ اعظم تھے۔ جن کی بدولت سر ظفر اللہ خاں قادیانی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہوئے اور قادیانیوں کو ان کی ذات سے فوائدِ عظیمہ حاصل ہوئے۔ لیکن ان قادیانیوں کی محسن کشی اور شقاوت کا یہ حال ہے کہ مرحوم سر فضل حسین کی نماز جنازہ میں انہوں نے شرکت نہیں کی اور جنازہ کے ساتھ جو غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی شریک تھے، نماز جنازہ کے وقت قادیانی بھی ان کے ساتھ مسلمانوں سے علیحدہ جا کھڑے ہوئے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ قادیانیوں کی جگہ مسلمانوں میں نہیں ہے بلکہ غیر مسلموں میں ہے'' (نقیب، پھلواری شریف، 25 جولائی 1936ء)۔

اس سلسلے میں تیسری بڑی مثال بانیِ پاکستان حضرت قائد اعظمؒ کی ہے، جن کے جنازے کا یہ قصہ زبان زدِ خاص وعام ہے کہ بابائے قوم کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں قادیانی موقع پر موجود ہونے کے باوجود اُن کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ عبدالستار عاصم نے اپنی کتاب ''انسائیکلو پیڈیا جہانِ قائد'' میں لکھا ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان

پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ تھے، جنھوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کی اور غیر مسلم سفیروں کے ساتھ جنازہ کے وقت گراؤنڈ کے ایک طرف بیٹھے رہے۔ جب ان سے مولانا اسحاق مانسہروی نے دریافت کیا:

''جنازہ کے موقع پر موجود ہوتے ہوئے بھی آپ نے جنازہ میں شرکت کیوں نہیں کی؟'' تو انہوں نے جواب دیا:

''مولانا! آپ مجھے مسلمان حکومت کا ایک کافر ملازم یا ایک کافر حکومت کا مسلمان ملازم خیال کر لیں''۔(صفحہ:1360)

اسی سلسلے میں معروف قانون دان اور کالم نویس جناب آصف بھلی لکھتے ہیں:

''میں نے نوائے وقت کے دفتر میں آویزاں تصاویر میں ایک تصویر دیکھی ہے جس میں قائداعظمؒ کی نماز جنازہ ہو رہی ہے اور ان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی جوتوں سمیت زمین پر تشریف فرما نظر آتے ہیں۔

(نوائے وقت، 13 دسمبر 2012ء)۔

اس سلسلے میں چوتھی مثال برصغیر کے معروف اخبار نویس مولانا عبدالمجید سالک کی ہے۔ سالک مرحوم کے خاندان کے کئی افراد قادیانی تھے۔ اپنے والد کے بارے میں وہ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:

''والد منشی غلام قادر کا انتقال 5 جولائی 1936ء کو ہوا۔ چونکہ والد صاحب احمدی عقائد رکھتے تھے، اس لیے احمدیوں کی فرمائش پر پٹھان کوٹ سے ایک میل دور موضع دولت پور میں دفن کیے گئے جہاں احمدیوں کا اپنا قبرستان تھا''

(سرگزشت:317)

جماعتِ احمدیہ اور اس کے تیسرے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود سے سالک مرحوم کے بڑے خوشگوار تعلقات تھے۔ انہوں نے اپنی ''سرگزشت'' میں بیان کیا ہے کہ 1931ء میں جب وادی کشمیر میں مسلمانوں کے خلاف تشدد کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کے اخبار روزنامہ انقلاب نے بھی ڈوگرہ راج کے نظام کے خلاف مضامین چھاپنے شروع کیے، جس پر انگریز سرکار نے ''انقلاب'' سے پانچ ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی۔ اس پر جہاں کئی زعمائے ملت نے ''انقلاب'' سے یکجہتی کا اظہار کیا، وہیں پشاور سے صاحبزادہ عبدالقیوم، بھوپال سے شعیب قریشی اور قادیان سے مرزا بشیر الدین محمود نے سالک مرحوم کو تار بھیجا کہ سرکار کی طرف سے طلب کردہ پانچ ہزار روپے کی پوری ضمانت وہ یکمشت داخل کر دینے کو تیار ہیں لیکن ''انقلاب'' بند نہیں ہونا چاہئے۔ مرزا محمود سے ان خوشگوار تعلقات کا ہی نتیجہ تھا کہ سالک مرحوم مجلس احرار ہند اور روزنامہ زمیندار کی بھی اپنے قلم کے ذریعے گاہے گاہے خبر لیتے رہتے تھے، اور ''انقلاب'' میں چھپنے والی ایسی تحریروں کو ''الفضل'' اپنے صفحات پر خاص جگہ دیا کرتا تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب حکیم الامت حضرت اقبالؒ کی تحریک پر مرزا بشیر الدین محمود کی کشمیر کمیٹی سے چھٹی کرائی گئی تو اس موقع پر علامہ صاحب کے بجائے عبدالمجید سالک مرزا محمود کے ساتھ کھڑے ہوئے، جس کا ذکر انہوں نے اپنی آپ بیتی میں یوں کیا ہے:

''میں بیان کر چکا ہوں کہ جب احرار نے احمدیوں کے خلاف بلاضرورت ہنگامہ آرائی شروع کی اور کشمیر کی تحریک میں متخالف عناصر کی ہم مقصدی و ہمکاری کی وجہ سے جو قوت پیدا ہوئی تھی، اس میں رخنے پڑ گئے، تو مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور ڈاکٹر اقبال اس کے صدر مقرر ہوئے۔ کمیٹی کے بعض ممبروں اور کارکنوں نے احمدیوں کی مخالفت محض اس لیے شروع کی کہ وہ احمدی ہیں۔ یہ صورتحال مقاصدِ کشمیر کے اعتبار سے سخت نقصان دہ تھی۔ چنانچہ ہم نے کشمیر کمیٹی کے ساتھ ساتھ ایک کشمیر ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی جس میں سالک، مہر (مولانا غلام رسول مہر)، سید حبیب (مدیر سیاست)، منشی محمد دین فوق (مشہور کشمیری مورخ)، مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کے احمدی و غیر احمدی رفقا سب شامل تھے۔ ایسوسی ایشن کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مبادا کشمیر کمیٹی آگے چل کر احرار کی ایک شاخ بن جائے اور وہ متانت و سنجیدگی رفو چکر ہو جائے جس سے ہم اب تک کشمیر میں کام لیتے رہے ہیں'' (سرگزشت :277)۔ اس ایسوسی ایشن کے قیام کا تذکرہ ''تاریخ احمدیت'' کی پانچویں جلد میں بھی کیا گیا ہے۔

عبدالمجید سالک پر یہ بھی الزام ہے کہ وہ اپنے قلم کے ذریعے بانی جماعتِ احمدیہ مرزا قادیانی کی شخصیت سازی کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے۔ شورش کاشمیریؒ کے بقول سالک صاحب کا یہ رویہ اکثر معمہ رہا کہ وہ مختلف اکابر کے تذکرے میں مرزا قادیانی کو ضرور لاتے رہے، جس سے مرزا قادیانی کی صفائی یا بڑائی مقصود ہو، حالانکہ ان کے سوانح و افکار میں مرزا قادیانی کا ذکر انمل بے جوڑ ہے (احتسابِ قادیانیت، جلد:27، صفحہ:55)۔ اس سلسلے میں ان کی کتابوں ''ذکرِ اقبال'' اور ''یارانِ کہن'' کے اولین ایڈیشن میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کے خاکے کی مثال دی جاتی ہے۔ لیکن فریقین میں اس قدر گہرے اور خوشگوار تعلقات کے باوجود جماعتِ احمدیہ نے غیر قادیانی سالکؔ کے بارے میں اپنا عقیدہ نہیں بدلا۔ عبدالمجید سالک کا انتقال 27 ستمبر 1959ء کو لاہور میں ہوا اور انہیں مسلم ٹاؤن کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ شورش کاشمیریؒ ان کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال یوں بیان کرتے ہیں:

''سالک صاحب کے چھوٹے بھائی آج تک قادیانی ہیں۔ مولانا کے انتقال پر ان کے سگے چھوٹے بھائی نے ان کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ اور یہ تماشا مسلم ٹاؤن کے قبرستان میں راقم الحروف نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے'' (ہفت روزہ چٹان، 3 جولائی 1967ء، احتسابِ قادیانیت، جلد:27، صفحہ:55)

اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی نمازِ جنازہ کے سلسلے میں جماعتِ احمدیہ کا یہ شدت پسندانہ رویہ صرف قیادت کی سطح تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ایک عام قادیانی بھی اس عقیدے کی پاسداری کرتا ہے۔ انجمن احمدیہ منٹگمری (ساہیوال) کے سیکرٹری نیاز احمد ''الفضل'' بابت 20 اپریل 1915ء میں لکھتے ہیں:

''میں نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ مسلمان بن جاؤ خلیفہ ثانی (مرزا محمود) کے ہاتھ پر۔ ورنہ میں تو جنازہ بھی نہیں پڑھوں گا۔ تب اسے فکر پیدا ہوئی، وہ سمجھانے پر سمجھ گئی اور اب وہ حضرت مرزا صاحب کو اس زمانے کا نبی اور رسول مانتی ہے اور بیعت کی درخواست کرتی ہے''۔

اسی طرح ''الفضل''، بابت 6 اکتوبر 1917ء میں ایک قادیانی کا مراسلہ شائع ہوا جس میں رئیسِ بٹالہ فضل حق قادیانی کے مسلمان والد کے جنازے کا احوال بیان کیا گیا۔ ذرا مراسلہ ملاحظہ فرمایئے:

''مجھے قادیان کی طرف آتے ہوئے چند دن بٹالہ میں بھائی فضل حق خاں صاحب رئیس بٹالہ کے ہاں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ اتفاقاً ان ہی دنوں ان کے والد جو غیر احمدی تھے، اسہال کبدی سے بیمار ہوکر فوت ہوگئے۔ بھائی فضل حق خاں صاحب نے احمدی احباب کو ایسے موقع پر نہ بلایا۔ تاہم ہم چار پانچ آدمی جنازہ کے موقع پر موجود تھے، اور تنہا ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ غیر احمدیوں کی اچھی خاصی تعداد جنازے کے لیے جمع ہوگئی تھی۔ اس مجمع میں سے بھائی فضل حق خاں صاحب کے چچا جو اُن کے خسر بھی تھے، ان کے پاس آئے اور جنازہ پڑھنے کے لیے کہا۔ مگر انہوں نے صاف انکار کیا۔ پھر چند اور اشخاص آئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ جنازہ نہ پڑھیں، علیحدہ ہی پڑھ لیں۔ اس پر انہوں (فضل حق خاں) نے جواب دیا کہ میں امام الوقت کے احکام کو بجالاؤں گا اور جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ میں نے ان کی زندگی میں ہی کہہ دیا تھا کہ اگر آپ احمدی نہ ہوں گے تو آپ کا جنازہ ہم میں سے تو کوئی بھی نہیں پڑھے گا۔ پھر فاتحہ خوانی کی رسم کو آپ نے بالکل ادا نہیں کیا، بلکہ جو آیا اسے متانت سے سمجھاتے ہوئے منع کر دیا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس قابلِ رشک نمونہ پر ہر ایک احمدی دوست عمل کرکے ثواب دارین حاصل کرے گا''۔

اسی طرح ''الفضل''، بابت 20 اپریل 1915ء قادیانی قوم کے ایک ''غیور فرزند'' کے بارے میں بڑے فخر سے لکھتا ہے:

''تعلیم الاسلام ہائی سکول (قادیان) میں ایک لڑکا پڑھتا ہے، چراغ الدین نام، حال ہی میں جب وہ اپنے وطن سیالکوٹ گیا تو اس کی والدہ صاحبہ فوت ہوگئیں۔ متوفیہ کو اپنے نوجوان بچے سے بہت محبت تھی، مگر سلسلے میں داخل نہ تھیں۔ اس لیے عزیز چراغ الدین نے (باوجودیکہ اس کی آنکھیں اشکبار تھیں اور دل غمگین اور تن تنہا غیر احمدیوں میں گھرا ہوا) اس کا جنازہ نہ پڑھا۔ اپنے اصول اور مذہب پر قائم رہا۔ شاباش اے تعلیم الاسلام کے غیور فرزند کہ (قادیانی) قوم کو اس وقت تجھ سے غیور بچوں کی ضرورت ہے۔ زندہ باش''۔

سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ آقائے کریمؐ کی ختم نبوت پر ایمان رکھنے والے مسلمانوں سے اتنا بغض کیوں رکھتی ہے کہ ایک قادیانی کسی مسلمان کے جنازے تک میں شرکت گوارا نہیں کرتا خواہ وہ اس کا باپ، ماں، بھائی یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ہم بانی جماعتِ احمدیہ اور ان کے جانشینوں کے فرمودات پر ایک نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ وہ لوگ مرزا قادیانی کی جعلی نبوت کو نہ ماننے والوں کو سرے سے مسلمان ہی تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اس بارے میں مرزا قادیانی کا کہنا ہے:

''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا، وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے'' (تذکرہ: 607)

دوسری جگہ پر لکھتے ہیں:

''جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا، وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے'' (تذکرہ: 336)۔ واضح رہے کہ کتاب ''تذکرہ'' مرزا قادیانی کے الہامات کا مجموعہ ہے اور قادیانی اسے (نعوذ باللہ) قرآن مجید کا درجہ دیتے ہیں۔

اسی طرح ان کے جانشین مرزا البشیر الدین محمود کا بھی یہی کہنا ہے:

''جو مسلمان حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں'' (آئینہ صداقت، انوار العلوم، جلد: 6، صفحہ: 110)

اسی سلسلے میں ''الفضل'' بابت 6 مئی 1915ء لکھتا ہے:

''اگر یہ کہا جائے کہ کسی ایسی جگہ جہاں تک تبلیغ نہیں پہنچی، کوئی مرا ہوا ہو اور اس کے مر چکنے کے بعد وہاں کوئی احمدی پہنچے تو وہ جنازہ کے متعلق کیا کرے۔ اس کے متعلق یہ ہے کہ ہم تو ظاہر پر ہی نظر رکھتے ہیں، چونکہ وہ ایسی حالت میں مرا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نبی اور رسول کی پہچان اسے نصیب نہیں ہوئی، اس لیے ہم اس کا جنازہ نہیں پڑھیں گے''۔

''الفضل'' ہی میں کسی نے یہ سوال پوچھا کہ کیا کسی شخص کی وفات پر جو سلسلہ احمدیہ میں داخل نہ ہو، یہ کہنا جائز ہے کہ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے۔ اس کے جواب میں لکھا گیا:

''غیر احمدیوں کا کفر بینات سے ثابت ہے اور کفار کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں''۔ (الفضل، 7 فروری 1921ء)

اس پوری بحث میں ان غیر قادیانی سیاسی و غیر سیاسی اور ادبی وصحافتی عناصر کے لیے بڑا اسبق پنہاں ہے جو قادیانیوں کی وکالت کے لیے پیش پیش رہتے ہیں۔ وہ یہ بات لکھ رکھیں کہ ان کے دنیا سے گزر جانے کے بعد جماعتِ احمدیہ ان کی قبر پر تھوکے گی بھی نہیں۔ تو پھر اس گناہِ بے لذت کا کیا فائدہ؟۔۔۔ سر فضل حسین اور سالک مرحوم کی مثالیں ان ہی کے لیے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ دیگر اقلیتوں اور قادیانیوں میں سب سے بڑا فرق یہی ہے۔ قادیانی آقائے کریم ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں کو ہی دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں گویا بت ہم کو کہیں کافر۔۔۔ علاوہ ازیں قادیانی آج بھی خود کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کرنے کے بجائے اپنے آپ کو ''احمدی مسلمان'' کہلواتے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف اس قدر متشددانہ خیالات وعقائد اور رویے کے بعد بھی دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے مسلمانوں کی صفوں میں گھسنا اور خود کو مسلمان کہلوانے پر اصرار ہرگز قرینِ انصاف نہیں ہے۔ اگر اپنی الگ ''نبوت'' اور الگ ''امت'' تراشی ہی ہے تو پھر جماعتِ احمدیہ کو اپنی یہ الگ شناخت برقرار بھی رکھنی چاہیے۔

جھوٹ بولا ہے تو قائم بھی رہو اس پر ظفرؔ
آدمی کو صاحبِ کردار ہونا چاہیے

قادیانیت کی ایک اور شکست' غیور ارکان پنجاب اسمبلی کو سلام

عرفان احمد عمرانی

خاتم النبیین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا پرچم مزید سربلند ہوگیا اور مسلمانوں نے عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کر کے قادیانی لابی کی ایک اور سازش ناکام بنادی، اقلیتی کمیشن میں چور راستے سے قادیانیوں کو لانے کی کوشش ناکام ہوگئی، حکومت نے اقلیتی کمیشن میں قادیانیوں کو شامل نہ کرنے کا اعلان کردیا، وفاقی وزراء نے کہا کہ ہم ختم نبوت کے پہرے دار ہیں، قادیانیوں کو کمیشن میں شامل کیا نہ کریں گے۔ نورالحق قادری وفاقی وزیر مذہبی امور اور علی محمد خان وفاقی وزیر برائے پارلیمانی امور کہتے ہیں کہ قادیانی آئین کے مطابق غیر مسلم ہیں مگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر آئین کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔ آئین کا انکار کرنے والے کسی گروہ کو سرکاری اداروں میں حصہ نہیں مل سکتا۔ وزراء کہتے ہیں کہ ملک میں غلامان رسول کی حکومت ہے ختم نبوت کا دفاع کرتے رہیں گے۔ حکومت کے اس اعلان کا علماء کرام نے خیر مقدم کیا ہے، تمام دینی جماعتوں نے حکومت پر واضح کردیا ہے کہ آئندہ بھی قادیانیوں کے حق میں کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

پورا ملک کورونا کی لپیٹ میں ہے، لاک ڈاؤن سے پوری قوم شدید ترین طریقہ سے متاثر ہے، مساجد بھی حکومت کے احکامات کی سختی جھیل رہی ہیں، احتیاطی تدابیر کے ساتھ نمازیں ادا کی جارہی ہیں، حکومت کے ادارے بھی کورونا سے نجات اور قوم کی حفاظت کیلئے سرگرداں ہیں، عمران خان، جنرل قمر باجوہ دیگر حکام بھی کورونا حالات پر قابو پانے کیلئے کوششوں میں مصروف ہیں، ایسے ہنگامی حالات میں اچانک اقلیتی کمیشن بنانے اور پھر اس میں قادیانیوں کو بھی نمائندگی دینے کیلئے کون اور کیوں متحرک ہوا؟ قوم کورونا اور لاک ڈاؤن کی پریشانی میں مبتلا ہے کہ قادیانی نواز گروہ خاموشی سے اپنا کام کررہا تھا اور کمیشن قادیانیوں کو نمائندگی دینے کا بھی فیصلہ ہوچکا تھا کہ عقیدہ ختم نبوت کے پاسبانوں نے احتجاج کر کے یہ سازش ناکام بنا دی، حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اقلیتی کمیشن برائے مذہب میں اور قادیانیوں کو شامل کرنے کی سفارشات پیش کرنے کے حوالے سے وزارت مذہبی نے انکار کیا ہے۔ وزارت کا کہنا ہے کہ ہم نے قادیانیوں کیلئے سفارشات تیار کیں نہ پیش، پھر کہا ایسا ہاتھ ہے جو حکومتی ایوانوں میں بیٹھا ہے اور وقتاً فوقتاً ختم نبوت پر حملہ آور اور قادیانیوں کیلئے کام کررہا ہے۔

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے ارکان پنجاب اسمبلی نے بھی ختم نبوت کا پرچم اٹھالیا اور قادیانیوں کیخلاف صوبائی اسمبلی نے قرارداد منظور کر کے ثابت کردیا کہ ختم نبوت پر آنچ نہیں آنے دی جائے گی، ہم سپیکر سمیت ارکان پنجاب اسمبلی کو سلام وخراج تحسین پیش کرتے ہیں، پنجاب اسمبلی کے غیور ارکان نے قادیانیوں اور ان کے حامیوں کی ہر سازش کو ناکام بنا دیا، پنجاب اسمبلی نے بیوروکریسی اور ایوان بالا میں موجود ایسے افراد جو آئے دن ختم نبوت قانون میں ترمیم کرنے اور قادیانیوں کو اہم سرکاری عہدوں پر بٹھانے کی کوشش کرنے والوں کی نشاندہی کرنے اور انہیں قرار واقعی سزا دلانے کیلئے تحفظ ناموس رسالت کے نام سے متفقہ طور پر قرارداد منظور کر لی یہ قرارداد صوبائی وزیر حافظ عمار یاسر نے پیش کی، دوسری طرف سپیکر چودھری پرویز الٰہی نے واضح کیا کہ ہم سب ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کے محافظ ہیں، وفاقی کابینہ میں

اکثر وزراء نے اس ترمیم کی مخالفت کرتے ہوئے طے کیا کہ جب تک قادیانیوں کا سربراہ تسلیم نہیں کرتا کہ وہ غیر مسلم ہیں تب تک قادیانی قومی اقلیتی کمیشن میں شامل نہیں ہو سکتے، قادیانی آئین پاکستان کو جب تک تسلیم نہیں کرتے وہ کمیشن میں نہیں آسکتے۔مجلس احرار کی مشاورت سے تیار کی گئی قرارداد میں کہا گیا کہ آئے دن قادیانیت کا مسئلہ کھڑا کر دیا جاتا ہے لیکن عقیدہ ختم نبوت کے خلاف سازش کرنے والوں کیخلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی اسلامی مملکت ہونے کے باوجود تحفظ ناموس رسالت کی بھیک مانگنا شرم کا مقام ہے، کسی کو ابہام نہیں ہونا چاہیے، عقیدہ ختم نبوت ہماری ریڈ لائن ہے اس پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا قرارداد کی منظوری کو تمام دینی حلقوں نے خوش آئند قرار دیدیا۔

حکومت کے تمام ایوانوں میں قادیانی عناصر موجود ہیں جو گاہے بگاہے ان کی حمایت میں آواز اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں یہی عناصر ختم نبوت کے بھی مخالف ہیں، اقلیتی کمیشن میں قادیانیوں کی شمولیت کا پہلے صاف انکار کیا گیا آخر وفاقی وزیر برائے مذہبی امور نورالحق قادری نے ایک نجی ٹی وی چینل پر یہ انکشاف کر کے تسلیم کر لیا کہ کمیشن کیلئے قادیانی ممبر نامزد کیا گیا تھا انہوں نے کہا کہ وفاقی کابینہ میں 6 وزراء قادیانیوں کو اقلیتی کمیشن میں شامل کرانا چاہتے تھے جس سے یہ بات واضح ہوگئی حکومت کے فیصلے کرنے والی وفاقی کابینہ میں بھی 6 وزراء قادیانیوں کے حامی ہیں یا یوں کہیے قادیانی نواز حکومت کے اندر پھن پھیلائے بیٹھے ہیں دیگر اہم اداروں میں بھی قادیانی وائرس گھسا بیٹھا ہے غیور ارکان پنجاب اسمبلی نے ایسے عناصر کیخلاف قرارداد منظور کر کے عقیدہ ختم نبوت کے پاسبان ہونے کا ثبوت دیا ہے گو کہ دینی حلقوں کے بروقت احتجاج پر قادیانی اقلیتی کمیشن میں شامل ہونے سے رہ گئے مگر کابینہ میں موجود ان کے حامی 6 وزراء دیگر اداروں کے قادیانی نواز عناصر عقیدہ ختم نبوت کے ڈاکوؤں کیلئے راہ ہموار کرنے کی کوشش میں مصروف رہیں گے ایک اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ قادیانیوں کو اقلیتی کمیشن میں شامل کرانے کیلئے عدلیہ کا سہارا لیا جا رہا ہے، شہداء فاؤنڈیشن اسلام آباد کے نام کی ایک این جی او نے قادیانیوں کے حق میں اسلام آباد ہائیکورٹ میں رٹ بھی دائر کی ہے اس رٹ کا عدلیہ میں مقابلہ کرنے اور ناکام بنانے کیلئے مجلس احرار نے تیاری کر لی ہے اس کیلئے سید کفیل بخاری اور حافظ عمار یاسر صوبائی وزیر الرٹ ہیں ایسے میں مسلمانوں کو متحد ہو کر کردار ادا کرنا ہوگا اور یہ پٹیشن بھی ناکامی وشکست سے دوچار ہوگی پنجاب اسمبلی میں تحفظ ختم نبوت کے مسئلہ پر حکومت اور اپوزیشن کا ایک ہو جانا انتہائی خوش آئند اور قابل تحسین ہے اور متفقہ قرارداد کا پاس ہونا حکومت میں موجود قادیانی نواز عناصر کے منہ پر طمانچہ ہے، پنجاب اسمبلی کی حالیہ تحفظ ناموس رسالت قرارداد ایک قانونی قرارداد ہے اس قرارداد کے ذریعے پنجاب اسمبلی نے اقتدار و اختیارات کے تمام ایوانوں کو خبردار کر دیا ہے کہ عقیدہ ختم نبوت پر آنچ نہیں آنے دی جائے گی اور قادیانیوں اور ان کے حامیوں کی ہر سازش ناکام بنا دی جائے گی، یہی پنجاب اسمبلی ہے جس نے 1976ء میں بھی قادیانیوں کیخلاف تحریک چلانے کی پاداش میں علماء کی گرفتاری پر بھی احتجاج کیا تھا۔

مختلف طریقوں سے قادیانیوں کو ریلیف دینے اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے قوانین کو کمزور کرنے کے درپے ہے، یہ ہاتھ ہر دور حکومت میں چالبازیاں چلتا رہتا ہے، گو کہ تمام جماعتوں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، مسلم لیگ (ق)، متحدہ تحریک ختم نبوت، مجلس احرار اسلام، وفاق المدارس العربیہ، جمعیت علماء اسلام، جمعیت علماء پاکستان، جماعت اسلامی، جمعیت اہلحدیث، پاکستان علماء کونسل، تحریک لبیک، جماعت اہل سنت، پاکستان اسلامک فورم، وکلاء، تاجر تنظیموں نے سخت احتجاج کر کے قادیانی گروہ کی اس سازش کو بھی ناکام بنا دیا ہے۔حکومت کو ایسی سازشوں کی روک تھام کیلئے سخت اقدامات

اٹھانا ہوں گے۔ اس کیلئے قانون سازی کی بھی ضرورت ہو تو وہ بھی کی جائے۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ حکومت نے اقلیتی کمیشن میں قادیانیوں کو شامل نہ کرنے کا بروقت فیصلہ کرکے اچھا قدم اٹھایا ہے، اب 17 رکنی کمیشن میں 9 اقلیتی ارکان جس میں ہندو، عیسائی، سکھ اور کلاش برادری کے افراد شامل ہوں گے۔ یہ کمیشن قادیانیوں سے پاک رہے گا، مسلمان علماء اور ایک اسلامی نظریاتی کونسل کے سربراہ بھی کمیشن کا حصہ ہیں۔ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے اقلیتی کمیشن میں قادیانیوں کو شامل کئے جانے پر عمران خان کو بلاسوچے سمجھے خراج تحسین پیش کرنا شروع کر دیا اور دلائل دینے لگ گئے کہ قادیانیوں کو اقلیتی کمیشن میں شامل کرکے عمران خان نے ان پر اقلیت ہونے کا ٹھپہ لگا دیا وہ تو دینی رہنماؤں نے بروقت قدم اٹھا کر حقیقت واضح کر دی۔ یہ حقیقت ہے کہ قادیانی اپنے آپ کو حقیقی مسلمان اور ہمیں سرکاری مسلمان قرار دیتے ہیں، اس گروہ کا سرغنہ مرزا غلام احمد قادیانی تو مسلمانوں کو کافر قرار دیتا تھا، پھر یہ قادیانی اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دینے کے حوالے سے آئین پاکستان کو بھی تسلیم نہیں کرتے، ایسے میں انہیں اقلیتی کمیشن میں شامل کئے جانا خود آئین کے منافی ہو جاتا، قادیانیوں کی تمام سرگرمیاں جہاں اسلام اور ختم نبوت کے خلاف ہیں وہیں پاکستان کے بھی خلاف ہیں، یہ گروہ حقیقت میں پاکستان کا بھی غدار ہے، دینی حلقوں کا مطالبہ ہے کہ قادیانیوں کو تمام کلیدی عہدوں سے برطرف، ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔

قادیانی ایک طویل عرصہ سے کوشش کر رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح انہیں حکومتی کمیٹیوں میں جگہ مل جائے۔ امت مسلمہ کبھی انکا یہ خواب پورا نہیں ہونے دی گی۔ اگر انہیں اس کمیشن میں شامل کرلیا گیا تو دیگر کمیٹیوں میں بھی ان کو جگہ آسانی سے مل جائیگی اور عملی طور پر امتناع قادیانیت آرڈیننس غیر فعال ہو کر رہ جائے گا۔ پھر انہیں شعائر اسلام اپنانے اور اپنے باطل نظریات کا پرچار کرنے کی بھی آزادی حاصل ہو جائے گی۔ اس لئے یہ بہت بڑی سازش ہے قادیانیت کوئی مذہب نہیں بلکہ ایک فتنہ ہے جس کو کوئی بھی مذہب تسلیم نہیں کرتا قادیانی پہلے اپنی پوزیشن واضح کریں۔ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہِ کے نام پر بننے والے اس ملک میں قادیانیوں کیلئے کوئی جگہ نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا منکر ہے اگر اقلیت بننا ہے تو پہلے قانون اور عدالتی فیصلوں کو مانیں پھر کسی فورم کا حصہ بننے کا سوچیں یاد رکھیں قادیانیت مذہب نہیں بلکہ ایک سیاسی سازش اور ایک فتنہ ہے جس کو انگریز نے کھڑا کیا تھا مسلمانوں میں فتنہ فساد تفرقہ وانتشار پیدا کرنے کے لئے اور یہی فتنہ آج تک اپنے مشن پر عمل پیرا ہے۔

قادیانی غیر مسلم ہیں آئین نے غیر مسلم قرار دیا ہے اس کے باوجود ان کے حامی اور غیر ملکی طاقیں انہیں ریلیف دلانے اور ان پر سے غیر مسلم کا سپل ختم کرانے کے درپے ہیں۔

عمران خان ریاست مدینہ کا تصور قائم کرنے سے پہلے سرکار مدینہ کی ختم نبوت کے دشمنوں کیخلاف فیصلہ کن اقدامات کرنا ہوں گے اور ان کی ہر سازشوں کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کرنا ہوگا اور پنجاب اسمبلی کی حالیہ تحفظ ناموس رسالت کی قرارداد پر عمل کرنا ہوگا۔ قادیانیوں، مرزائیوں، احمدیوں اور لاہوری گروپ (یہ گروپس عقیدہ ختم نبوت کے مخالف اور مرزا غلام قادیانی کے پیروکار ہیں) انہیں دعوت اسلام دیتے ہیں کہ وہ توبہ تائب ہو کر رحمت للعالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان لے آئیں، دعا ہے کہ اللہ انہیں ہدایت عطاء فرمائے۔

مسئلہ کورونا ہے یا مسجد کے تہذیبی و معاشرتی کردار پر حملہ؟

مولانا عبیدالرحمٰن شاہجہاں پوری

جدید قومی سرمایہ دارانہ ریاست اپنے ریاستی ستون و مراکز (بینک، پورٹس، سرمایہ دارانہ اقلیت، میڈیکل سائنس وہسپتال، میڈیا وغیرہ) کو سماج میں عقیدے کے طور پر پیش کرتی ہے، اور اس کے لیے اگر لوگ مر بھی جائیں تو اس کو قبول کرتی ہے، کیونکہ کسی بھی نظریے کے داعی کا اپنے عقیدے کے لیے قربانی دینا اس کی اپنی اخلاقی سعادت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ایسے میں مساجد پر پابندی لگانا جدید لبرل ریاست کے منہج میں اسی طرح معقول ہے جس طرح ریاست فرد سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ پارک نہ جاؤ۔ لبرل ریاست کے نزدیک پارک جانا اور مسجد جانا مساوی فعل ہیں، کیونکہ لبرل ازم کی رو سے یہ اجتماعی عقیدہ و رویہ نہیں بلکہ فرد کا انفرادی فعل ہے، جس پر لبرل ریاست کی اجارہ داری ہے۔ لبرل ریاست کا یہ فکری مقدمہ اگر قابلِ فہم ہے تو پھر ابوابِ مساجد مقفل اور سرمایہ دارانہ ریاستی اداروں کے ابواب کیوں مفتوح ہیں، بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ جدید لبرل ریاست کا جدید شہری کرنسی سے وہ خوف نہیں کھا رہا جو خوف وہ مساجد کے مصلے میں دیکھ رہا ہے، حالانکہ ڈبلیو ایچ او (WHO) کی تحقیق کے مطابق وائرس سب سے زیادہ کرنسی کے ذریعے پھیل رہا ہے۔ لیکن کیوں؟ اس لیے کہ جدید لبرل ریاست کے نزدیک سرمایہ دارانہ اقلیت و سرمایہ دارانہ نظام کے مراکز بینک وغیرہ، لبرل ریاست کے اعتقادی ستون ہیں، اور عقیدے سے خوف نہیں کھایا جاتا بلکہ اس کے لیے قربانی دی جاتی ہے۔ ایسے میں کرنسی جو ''خطرہ'' ہے اس کے متعلق لبرل ریاست کا لبرل میڈیا ''خوف'' عام نہیں کرتا، بلکہ ''خطرے'' سے ''خوف'' دلانے کے بجائے خود خوف سے خوف کی تخلیق و تشہیر کرتا ہے!

چنانچہ لبرل میڈیا نے کیمرے کی آنکھ کو تفتان بارڈر سے مساجد کی طرف موڑ دیا ہے۔ افتراق سے بچنے کے لیے ہم زاویۂ فکر کی اس تبدیلی و انحراف پر بات نہیں کرتے، تاہم اتنا ضرور عرض ہے کہ زاویے کی اسی تبدیلی کے نتیجے میں ایک حقیقی مجرم کو کٹہرے سے فرار کرا کے مولوی کو ہمیشہ کی طرح کٹہرے میں لا کھڑا کیا گیا ہے، اور آئندہ چار سے پانچ ماہ کے لیے لبرل میڈیا کو مولوی کی آڑ میں تہذیب و اقدارِ اسلامی پر سنگ باری کرنے کا بھرپور موقع فراہم کیا گیا ہے۔

اضطراب کے ان لمحات میں جب میڈیا پر علمائے اہلِ سنت کے متعلق ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہے، علمائے ملت نے اپنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے احتیاطی تدابیر اور شروط و قیودات کے تناظر میں اجتماعی فتویٰ جاری فرمایا ہے۔ اس معتدل فتویٰ کو بھی اب اگر کوئی نامعقول سمجھتا ہے تو اُس کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ یہ وقت ہے مساجد کی اعتقادی، تہذیبی، سیاسی، و معاشرتی کلیت کو فعال کرنے کا، اس کے اس مخصوص معاشرتی تفاعل کو عام کرنے کا جس پر لبرل ازم کے جبر

نے پہرے بٹھائے تھے، اوراس کے اظہار کا اس سے زیادہ مناسب موقع ہاتھ نہیں آنے والا! لیکن صد افسوس، احبابِ بزم پر کپکپی طاری ہے، وہ نادان گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا! آج وطنِ عزیز پاکستان میں پوری ریاست (بینک، میڈیا ہاؤسز، کورٹس، جمہوری وسرمایہ دارانہ اقلیت کے مراکز وغیرہ) کھلی ہے اور مساجد مقفل ہیں۔ ایک صاحبِ ایمان کے لیے اپنے اعتقادی پسِ منظر میں یہ پیش منظر جس قدر نا قابلِ فہم ہے، جدید سرمایہ دارانہ ریاست کے لیے اسی قدر قابلِ فہم ہے۔ ہمارے لیے نا قابلِ فہم اس لیے ہے کہ ساری زمین ہی خدا کا گھر ہے اور یوں قوتِ نافذہ کا مرکز مسجد ہے۔

جدید ریاست کے لیے قابلِ فہم اس لیے ہے کہ ''ریاست'' و''مارکیٹ''، ''مسجد'' نہیں ''معاشرے'' ہیں، لہٰذا لبرل ازم کی رو سے عبادت معاشرے نہیں فرد کا مسئلہ ہے۔ نیز یہ وبا خدا تعالیٰ کے گھر نہیں بلکہ سرمایہ دارانہ مراکز (ریاست و مارکیٹ) میں فطرت سے بغاوت کے سبب پھوٹی ہے، لیکن پھر بھی الزام وبا سے متعفن سرمایہ دارانہ ادارتی صف بندی کو نہیں بلکہ مساجد کو ہے کہ بہر حال یہ ادارتی صف بندی لبرل منہج میں لبرل قومی عقائد کی علامت ہے۔ اس لبرل وکلیسائی نظریے کی تشہیر میں لبرل نہیں مذہبی حلقے کل تک شریکِ انجمن رہے تو آج بھی پیش پیش ہیں۔ اگر پوپ نے اٹلی میں ویٹی کن بند کیا تو ہم نے بھی اغیار سے تشبہ اختیار کرتے ہوئے حرم مکی و مدنی کو مقفل کرنا عین معقول سمجھا۔ آج بھی تفتان بارڈر سے مریض پاکستان تشریف لا رہے ہیں لیکن مساجد میں صحت مند نمازیوں کے جانے پر پابندی ہے، یہ عین نامعقول اقدام اگر معاشرے کے لیے معقول قرار پایا ہے، تو اس تنزلی کا سبب ہماری ربع صدی سے زائد عرصے پر محیط نظام افرنگ سے مفاہمت اور شرع شریف کی بابت مداہنت ہے!۔

کورونا وائرس اور جدید تصورِ اخلاقیات

اس وقت WHO ہم کو ڈکٹیٹ کر رہا ہے کہ کیا کرنا ہے، اوراس کی ساری ترجیحات ''فرد'' کے علاج نہیں بلکہ سرمایہ دارانہ ریاست کی ترجیحات (Capitalist Priorities) پر قائم ہیں۔ جبھی وہ یہ نہیں بتا رہا کہ فرد مرض سے کیسے لڑے، بلکہ سارا زور اس پر ہے کہ ریاست مریضوں سے کیسے نبرد آزما ہو؟ اب سائنس ریاست کو نہیں بلکہ ریاست سائنس کو بتا رہی ہے کہ مذہب کو کیا حکم دینا ہے۔ ریاستوں کو بھی فرد کی موت کا خوف نہیں بلکہ اتنے ''مجموعہ افراد'' کی موت کا خوف ہے جس سے انہدام ریاست نہ ہو جائے۔ جبھی اس وقت پوری دنیا میں مریضوں کے ساتھ جو خلائی مخلوق والا رویہ رکھا جا رہا ہے وہ بہت دردناک وخطرناک ہے، جس کا مشاہدہ ہم پاکستان میں بھی کر رہے ہیں۔ ریاست وسائنس جدید اخلاقیات کی تدوین کر رہے ہیں۔ یورپ میں اولڈ ہومز میں کام کرنے والے کام چھوڑ کر جا رہے ہیں کہ یہ وبا بوڑھوں کو زیادہ لگتی ہے، اسپین کے اولڈ ہومز میں بیس لوگ اس وبا سے نہیں بلکہ اس کے خوف سے جان کی بازی ہار بیٹھے۔ مشہور پاکستانی صحافی و رپورٹر محترم عابد صاحب نے اس موضوع پر مستقل ڈاکومینٹری تیار کی ہے کہ کس طرح ہمارے مشرقی معاشروں میں بچے اپنے والدین کو چھوڑ کر جا رہے ہیں یا ان سے اظہارِ نفرت کر رہے ہیں۔ نیویارک ٹائمز میں اس بیماری کے حوالے سے

مضمون COVID-19 Kills old people only شائع ہوا ہے، جس میں بزرگوں سے پیدا ہونے والی سماجی نفرت کو موضوعِ تحقیق بنایا گیا ہے۔ اس سب کے نتیجے میں کورونا مریض سماج سے مجرد ہو کر ریاست وسماج کے مقابلے میں مستقل فریق (Opponent) کی حیثیت سے نمایاں ہو رہے ہیں، جس کا اظہار نہ صرف عالمی ذرائع ابلاغ پر ہم دیکھ چکے ہیں بلکہ خود سندھ میں quarantine کے اندر ہونے والی نمایاں ومنظّم بغاوت ہمارے اشرافیت زدہ رویوں (Aristocratic behavior) پر اعلانیہ دستک ہے کہ جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا! ایسے میں کورونا وائرس کے بعد ریاست وسائنس جن جدید اخلاقیات کی اختراع کر رہی ہے، ان کے مقابلے میں ''مسجد مرکز اخلاقیات'' اور ''معاشرت'' کی نفی کرنا درحقیقت بِنائے ملّت مٹا دینے کے مترادف ہوگا!۔

معاصر متساہل اہلِ علم پر افسوس

عہدِ فاروقی میں اٹھائیس ہزار صحابہ ومسلمان طاعون سے شہید ہوئے، انہوں نے ان احادیث سے جب مساجد کو مقفل کرنے کا فہم کشید نہیں کیا تو ہم اس سرمایہ دارانہ ریاستی بدعت کی اختراع کیوں کریں! باقی میڈیا ہاؤسز، بینک، فائیو اسٹار ہوٹل، ہسپتال سب کھلے ہوں اور خدا تعالیٰ کا گھر ہی مقفل ہو؟! عالمی سرمایہ دارانہ واستعماری قوتوں کی طرف سے مسلط کردہ اس کیمیائی جنگ میں اظہارِ شعارِ اسلامی اسی طرح ناگزیر ہے جس طرح عین میدانِ جہاد میں، جہاں موت ہی کا گمان غالب ہے! لیکن روایت کے پروردہ جدیدیت پر نازاں علماءِ سلاطین، جو لبرل ریاست کے ایک حکم پر خدا تعالیٰ کے گھروں کو تالے لگانے کے لیے تو حاضر باش ہوتے ہیں، تاہم جب سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق فتویٰ پوچھا جاتا ہے تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ایسا بھلا کیوں نہ ہو کہ جدید قومی مغربی ریاست میں فتویٰ نفاذِ شریعت کے لیے نہیں بلکہ تخفیفِ احکام شرع (Reductionism) کے لیے ہوتا ہے اور پھر یہی ''تخفیف'' شرع شریف لبرل میڈیا میں ''استخفاف'' شرع تک جا پہنچتی ہے۔ اسی تخفیفِ شرع کی رو سے فتویٰ کے نام پر امتِ مسلمہ کے خلاف امریکہ کی عالمی جنگ کا حصہ بنا جاتا ہے۔

یہاں دیت کے نام پر ریمنڈ ڈیوس آزاد کیا جاتا ہے۔ یہاں ناموسِ رسالت وناموسِ صحابہ کے سپاہیوں کو فتویٰ قصاص کے نام پر سولی چڑھایا جاتا ہے، اور فتویٰ کے نام پر مساجد کو تالے لگوائے جاتے ہیں! کورونا وائرس کا اصل سبب پیپر کرنسی، کرنسی مشین، اور اے ٹی ایم مشین ہیں، لیکن بینک کو تالے لگانے پر بھی ان اربابِ تجدد نے کوئی فتویٰ دیا ہے؟ یہ ہوتا ہے مچھر کھنگالنا اور اونٹ نگل جانا!! یہ وہی لوگ ہیں جو مغربیت (جمہوریت بمقابلہ خلافت، بینکنگ بمقابلہ حلال معاش) کو ترک کرنے کے لیے تو متبادل کا سوال کرتے ہیں لیکن جب خود احکاماتِ اسلامیہ پر عمل مشکل ہو رہا ہو تو اس کی بابت احکاماتِ شرع پر عمل کے متبادل کے بارے میں سوال نہیں کرتے، فتدبر! ان کو کورونا وائرس کی بابت تو متبادل تدابیر سوجھتی ہیں لیکن ان سے کوئی سوال کرے کہ زندہ کورونا پیشنٹ کا علاج ڈاکٹر قریب جا کر کر سکتا ہے تو احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے قریب جا کر کورونا میت کو غسل کیوں نہیں دے سکتا؟ سارے متبادل مادہ پرستی کو نبھانے کے لیے ہیں، دین پر عمل

کرنے کے کبھی متبادل کی آس نہیں ستاتی ؟ بہر حال جس کو مسجد کے مصلے سے خوف آتا ہو وہ اپنا مصلیٰ لے جائے، اور جس کو مصافحہ سے خوف آتا ہو وہ بعد میں ہاتھ دھولے، یہ ہے آسان سا متبادل۔ نمازِ فجر کے متعلق ایک ساتھی فرما رہے تھے کہ ڈیفنس کے جس گھر میں بیس لوگ رہتے ہوں اس کو دس لوگوں کی جماعت سے روکا جا رہا ہے۔ احقر نے عرض کیا: ابھی صبر فرمائیں ان ہی دانش کدوں سے اور سوالات پوچھے جانے ہیں نمازِ جنازہ کے بغیر تدفین، کفن کے بغیر پلاسٹک میں تدفین، یہاں تک کہ کورونا وائرس کی لاش کو نذرِ آتش کرنے کا مسئلہ، اللہ رحم فرمائے!۔

مسجد مرکزِ تہذیب و معاشرت اور محلِ شفا

یہ مسئلہ ہر صاحبِ ایمان پر واضح ہے کہ کافرانہ اخلاقیات اور مومنانہ اخلاقیات میں کسی مرض کو سمجھنے، برتنے اور پرکھنے کے پیمانے مختلف ہیں۔ مثلاً ایک کافر کے نزدیک بیماری موت سے مشروط، علامتِ موت ہے۔ جبکہ ایک صاحبِ ایمان کے نزدیک مرض بھی خدا تعالیٰ کی مستقل مخلوق اور موت ایک دوسری مستقل مخلوق ہے اور دونوں اپنے خالق (یعنی امر خداوندی) کے تابع ہیں۔ ایک صاحبِ ایمان موت کو حادثہ نہیں امرِ ربی سمجھتا ہے، اور ایک کافر موت کو مرض سمجھنے کے سبب جینٹک انجینئرنگ (Genetic Engineering) کے لیے متحرک، مُردہ کو زندہ کرنے کا متمنی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ فکر و نظر کا یہ زاویہ مرض و موت کو برتنے کے متعلق دو متضاد رویوں کو تشکیل دیتا ہے۔ اسلام اسباب و اختیار سے صرفِ نظر نہیں کرتا بلکہ اسباب و اختیار ہی کی آزمائش پر فرد کو پرکھتا ہے، یوں کہ یہ فرد اسباب کی مادہ پرستی میں مبتلا ہوتا ہے یا اسباب و اختیار کو دنیا کے محدود وقت میں امانت سمجھتے ہوئے مادہ پرستی کے بجائے خدا پرستی کا اظہار کرتا ہے۔ اسی خدا پرستی کی اجتماعی علامت، معاشرتِ اسلامی میں مساجد ہیں۔

اس علامت کی مرکزیت یہ ہے کہ مسلم معاشرے ''مسجد مرکز'' قرار پائے ہیں۔ ہر نظامِ ریاست و معاشرت اپنے عقیدے کے لیے قربانی دیتا ہے، مثلاً مغربی عقیدہ ''ترقی'' (Development) ہے۔ اس عقیدے سے جو ہوائی آلودگی پھیلتی ہے اس سے خود امریکہ میں سالانہ ڈیڑھ لاکھ اور پوری دنیا میں ساٹھ لاکھ لوگ مرتے ہیں۔ تاہم مغرب اپنے اس عقیدۂ ترقی سے باز نہیں آتا بلکہ اسے مثالی تصور کرتا ہے۔ اسی طرح مساجد ملتِ اسلامیہ کا عقیدہ و شعار ہیں، جس پر شہادت تو دی جا سکتی ہے مفاہمت نہیں کی جا سکتی، کیونکہ معاشرتِ اسلامی میں حیاتِ اجتماعی و بقائے ملت و بِنائے ملّت اسی پر قائم ہے۔ نیز ان حالات میں جب کورونا کے تناظر میں ریاست و سائنس جدید اخلاقیات کی تدوین کر رہے ہیں، ایسے میں ملتِ اسلامیہ کا اعتقادی و اخلاقی بیانیہ مساجد کی معاشرتی ساخت و معنویت سے مملو ہے۔

مساجد کی فعالیت اور کورونا وائرس کا سماجی علاج کیوں اور کیسے؟

مسجد کی اعتقادی و معاشرتی ساخت ہی ذریعۂ نجات ہے۔ وہ قوم جو استنجاء کرنا نہیں جانتی یا ٹشو پیپر کو استعمال کر کے احسانِ عظیم کرتی ہے، ان ہی مساجد کو انہیں دن میں پانچ بار وضو کرانا تھا۔ ان ہی مساجد کو انسانیت کو طبقاتی فساد و کشمکش

سے بچانا تھا جو کورونا وائرس کے دنوں میں شدت سے جنم لے رہی ہے، کیونکہ امیر و غریب نہیں یہاں خدا کا گھر مورد اشتراک ہے۔ ان ہی مساجد میں اس غریب طبقے کے لیے دستر خوان لگتا تھا جس کی دہاڑی چھین لی گئی ہے۔ ان ہی مساجد کو کورونا وائرس شاپنگ فیشن کے اس صارفانہ رویّے (Consumer behavior) پر روک لگانی تھی جہاں ایک امیر سارا مال اپنے قبضے میں لے کر چلتا بنتا ہے۔ ان ہی مساجد میں روحانی و جہادی ورزش کے ذریعے تندرست عوام میں اس وبا سے لڑنے کے لیے وہ جسمانی و ایمانی قوت پیدا کرنا تھی جو آج میڈیا کے سامنے بیٹھ کر ڈپریشن کے مریض بن رہے ہیں۔ ان ہی مساجد میں صحت مند افراد کو اجتماعی اعتکاف میں قیودات کے ساتھ بٹھانا تھا (حکومت نے شمالی علاقوں میں کچھ مساجد میں اہتمام بھی کیا ہے)۔ بی بی سی کی حالیہ رپورٹ کے مطابق کورونا وائرس سے اس وقت پاکستانی ریاست نہیں بلکہ معاشرے کی مذہبی ساخت کامیاب و بھرپور مدافعت کر رہی ہے، ملاحظہ فرمائیں The law of generosity combating corona virus in Pakistan BBC Report,1st April 2020 ان ہی مساجد سے اعلان ہونا تھا کہ کورونا مریض ریاست مخالف اچھوت نہیں بلکہ عام انسان ہے جس کی تیمارداری وارڈ بوائے سے پہلے بیٹے کا فرض ہے۔

ان ہی مساجد نے مشکل کی گھڑی میں خواہ زلزلہ ہو یا طوفان... خدمتِ خلق کے کام کیے ہیں، لیکن آج جب مساجد ہی کے دروازے حکومت نے بند کر دیئے ہیں تو کس منہ سے حکومتِ وقت مذہبی حلقوں کے کارکنان کو آواز دے رہی ہے؟ ان ہی مساجد کو تو ایک طرف نماز با جماعت کے طرزِ کُہن پر ڈٹ کر اور دوسری طرف شرع شریف کی بیان کردہ احتیاط میں توازن پیدا کر کے بتانا تھا کہ سنت کی رو سے احتیاط کا معتدل تصور کیا ہے، میڈیکل کونشیسنس (Medical consciousness) کے مارے نفسیاتی لوگوں کو بتانا تھا کہ غلو و احتیاط اور تشکیک و یقین میں کیا فرق ہے۔ ان ہی مساجد کو مسلم سماج میں اپنے اجتماعی تعاشر و اشتراک کے ذریعے وہ جسمانی قوتِ مدافعت بھی پیدا کرنی تھی جو صفائی سے نہیں اشتراک سے پیدا ہوتی ہے جس کو Herd Immunity کے نام سے جانا جاتا ہے، اور جو مغربی اقوام میں نہ ہونے کے برابر ہے، جس کے سبب کورونا سے کثرتِ اموات واقع ہو رہی ہیں، اور اموات کا خاص شکار بھی وہ ممالک زیادہ ہیں جو over medicated societies قرار پائے ہیں، یعنی وہ معاشرے جہاں میڈیکل و صفائی کے معاملے میں غلو پایا جاتا ہے۔ اس سب سے بڑھ کر ان ہی مساجد کو تو یہ بتانا تھا کہ کورونا وائرس موت نہیں مرض ہے، اور مرض حاملِ شفاء تو موت حقیقت ہے۔

آج یہ موت تمہارے لیے حقیقت نہیں اور کورونا تمہارے لیے مرض نہیں بلکہ موت، اور موت تمہارے لیے ''ہیبت ناک حادثہ'' اس لیے قرار پایا ہے کہ تم نے اپنے رب کے پیغام سے کفران کیا ہے۔ تم کو خدا تعالیٰ نے اختیار و اسباب کی قدرت و امتحان میں ڈالا اور تم ان اسباب کی پرستش میں خالقِ اسباب سے ایسے غافل ہوئے کہ خود اسباب پر

غلبے کو اپنی زندگی کا سائنسی مطمحِ نظر قرار دیا۔ ایسے میں خالقِ اسباب نے ان ہی اسباب وقدرت کو منجمد کرتے ہوئے اپنا ''موثرِ حقیقی'' ہونا تم پر ظاہر کیا، جس کے بعد تمہاری ریاستیں، سرمایہ داری، گلوبلائزیشن، عالمی ادارے، میڈیکل سائنس، قومی افواج، ڈاکٹر، دانشور سب کے سب ''عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی'' کا مظہر اتم ہیں۔ محوِ تماشائے لبِ بام بھی کس مخلوق کے ہاتھ کون؟ وہ جو عصرِ جدید کے ابرہی ٹیکنالوجی کے ہاتھیوں پر سوار تھے لیکن خدا تعالیٰ کی ابابیلوں کے منکر تھے، آج نزلہ وزکام جیسی معمولی بیماری ان کے لیے کورونا بن کر تاریخ و مذہب کے تناظر میں ابابیلی علامت قرار پائی ہے، صالحین کے لیے آزمائش تو فساق کے لیے فقط عذاب!! بھلا یہ عذاب کیوں نہ ہو جب سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت... دونوں جڑواں بہنوں کا نام نہاد تصورِ علم وترقی، فطرت سے ہم آہنگی نہیں بلکہ فطرت پر غلبہ اور اسے مسخ کرنے کو اپنا حتمی ہدف قرار دیتا ہے۔ ایسے میں خود مغربی محققین کے نزدیک سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت... دونوں کا یہی منحرفانہ عقیدہ فطرت، عالم کی تباہی کا سبب بن رہا ہے۔ جیرڈ ڈائمنڈ (Jared Diamond) تصریح کرتا ہے:

China`s leaders used to believe that humans can and should conquer Nature, that environmental damage was a problem affecting only capitalist societies, and that socialist societies were immune to it. Now, facing overwhelming signs of china's own severe environmental problems, they know better.

(Collapse, Penguin Books America 373)

عقیدے کی جنگ اور سوشل ڈسٹینسنگ (Social Distancing) کا مفروضہ

یہاں پھر بعض قلتِ فہم کے حاملین احباب یہ سوال کرتے ہیں کہ مسجد کے اجتماع میں مرض پھیلنے کا خطرہ ہے؟ تو اس کا تفصیلی جواب تو مذکورہ بالا سطور میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک کافر و مومن مرض کو اپنے اپنے اعتقادی منہج میں برتتا ہے، ہمارے نزدیک مسجد مرکزِ تہذیب ومعاشرت اور محلِ شفا ہے۔ اس سے دوری کے کیا معنیٰ! عدالت، بینک نو گھنٹے کھلیں اور میڈیا ہاؤسز، منڈی، پورٹ، ہسپتال، آئل ریفائنری چوبیس گھنٹے... جبکہ مسجد پورے دن ڈھائی گھنٹے (ایک نماز/آدھا گھنٹہ) کے لیے کھلے تو تکلیف ہو، شعائرِ اسلامی سے یہ نفور کیوں؟! دراصل لبرل ازم ہمیشہ دینی طبقے سے دوسرا سوال پوچھتا ہے، مثلاً غیرت کے نام پر قتل کا سوال تو پوچھا جاتا ہے اور فحاشی پھیلانے کے متعلق یکسر خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ اس لیے اصل اور پہلا سوال یہ ہے کہ ریاست پاکستان جو کلمہ گو ہونے کی داعی ہے وہاں دینِ اسلام کی جوہری علامت ''مسجد'' کو قومی ریاستی اداروں کی طرح ریاست اپنے وجود و حیات کے لیے ناگزیر سمجھتی ہے، یا اس کے نزدیک فرد کا مسجد و پارک جانا انفرادی فعل ہے، جس پر ریاست کی اجارہ داری ہے؟ اگر ریاست کلمہ گو ہونے کے دعوے کی دلیل میں مسجد کو ''مرکزی''

تصور کرتی ہے تو پھر باقی اداروں کو کھول کر مسجد کو مقفل کرنا .. یہ منافقانہ تضاد ہے۔ اور اگر ریاست اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے کہ میں ایک قومی ریاست ہونے کے سبب بینک، ہسپتال (جہاں پہلے و دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ کورونا وائرس پھیل رہا ہے)، میڈیا، عدالت اور دوسرے قومی اداروں کو کھلا رکھوں گی کہ میرے عقیدے کی رو سے، میری ریاستی حیات و ساخت کی نمو کے لیے ان اداروں کا وجود ناگزیر ہے چاہے اس چکر میں کتنے ہی لوگ مر جائیں! تو پھر ہم بھی ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ مسجد ہمارا عقیدہ، اجتماعی مرکز اور ظاہر و باطن کا محلِ شفا ہے جس کے لیے ہم احتیاط پر ''بطریقِ سنت'' عامل ہوتے ہوئے قربانیاں دینے کے لیے تیار ہیں، آپ کو آپ کے عقیدے کی قربانی مبارک، ہمیں ہمارے عقیدہ کی، لکم دینکم ولی دین!! آج چیف جسٹس کی طرف سے ''عدالت'' کے کھلے رہنے کی یہ توجیہ پیش کی گئی ہے کہ یہ قانونی کچہریاں عدل و انصاف کا مرکز ہیں، یہ نہ ہوں تو معاشرے عدل و اخلاقیات سے خالی ہو جائیں، ایسے میں عدل و اخلاقیات کے لیے ہر قربانی دی جاسکتی ہے! تو مؤدبانہ عرض ہے کہ معاشرتِ اسلامی میں عدالت کا محل برٹش کورٹس نہیں مساجد ہیں۔ ہمیں محترم چیف صاحب سے اتفاق ہے کہ اخلاقی صحت، جسمانی صحت سے ناگزیر ہے اور مسلمان تو جیتا ہی عقیدے اور اس سے برآمد ہونے والی اخلاقیات کے تحفظ کے لیے ہے۔ ایسے میں ایک لبرل کے لیے صبح نو سے شام چھ بجے تک کورٹس کا کھلے رہنا معقول فیصلہ ہے تو دس منٹ کی نماز باجماعت بھلا کیونکر ناقابلِ فہم ہے، بالخصوص جبکہ احتیاطی تدابیر کو مسجد کے منہج میں جس احسن طریقے سے برتا جاسکتا ہے ''کچہری کلچر'' اس کا متحمل ہی نہیں؟ نیز آج اور کل میں کتنے لوگوں کو میڈیا ہاؤسز اور بینکوں میں کورونا وائرس ہوا، جواباً ریاست نے اپنے ان اعتقادی ستون (میڈیا، بینک وغیرہ) پر پابندی نہیں لگائی بلکہ ابھی وزیر اطلاعات صاحبہ نے اعلان کیا ہے کہ ہم کیمرہ مین کو ''کورونا کٹس'' دیں گے۔

کیا جدید ریاست میں کیمرہ مین کا پیشہ، منصبِ امامت سے بڑھ کر ہے؟ اصل مسئلہ پھر عقیدے ہی کا ہے !!Social Distancing سے ریاست کے اجتماعی نظام اور اعتقادی ستونوں کو استثنیٰ دینا اور ریاستی قانون کی رو سے انفرادی دائرہ کار کو انفرادی قرار دینے کے باوجود سوشل ڈسٹینسنگ کے قائم ہوتے ہوئے بھی سوشل ڈسٹینسنگ کے نام پر جبراً بند کرنا اور علماء ربانیین کو پابندِ سلاسل کرنا، اپنے مذہبی لبادے کے ''تاثر'' کو لادینیت کی اصل برہنگی سے چاک کرنا ہے۔ Social Distancing کی فقہی رخصت سے بطور تدبیر اختلاف نہیں، لیکن اس تدبیر کو اعتقادی تقدیر بنالینا کہ جہاں تھوڑا سا تساہل ہوا بندہ مارا جائے گا، محض ڈھکوسلا ہے۔ یورپ جس کی ساری معاشرتی ساخت ہی انفرادیت پسندی کا شکار ہونے کے سبب سوشل ڈسٹینسنگ پر قائم ہے، پھر بھی وہاں کثرتِ اموات کا واقع ہونا، اس احتیاطی تدبیر کو تقدیر سمجھنے والوں کے لیے بڑا سوالیہ نشان ہے۔

خلاصہ کلام

مختصر یہ کہ مسلمان جینے کے لیے نہیں جیتا بلکہ عقیدے پر مرنے کے لیے جیتا ہے۔ مسجد ہمارے عقیدہ و

معاشرت کا مسئلہ ہے۔ اس کو آباد کرنے کے لیے مختلف احتیاطی تدابیر کو تو برتا جاسکتا ہے، لیکن اس اجتماعی علامت کو مقفل کرنا یا اس کے معاشرتی واقداری کردار پر لبرل خطِ تنسیخ کھینچنا، یقیناً عقیدے کے باب میں معرکہ آرائی کا عنوان ہے اور رہے گا۔ مساجد مراکزِ ذکر ہی نہیں بلکہ ہماری دینی و معاشرتی زندگی کا حاصل یعنی ''مساکن'' ہیں جن سے ہماری ''بقائے ملت'' مشروط ہے۔ تہذیب و معاشرتِ اسلامی میں ان ''مساکن'' کی اساسی و مبادیاتی اہمیت اُنھیں ہی سمجھ آئے گی جن کے عقیدہ کا یہ حصہ ہو۔

امام اوزاعیؒ اسلافِ امت کا منہجِ ملت بیان فرماتے ہیں:

''اصحابِ رسولؐ پانچ (اصولوں پر رضائے الٰہی وغلبہ اسلام کے لیے) قائم تھے: لزوم جماعت، اتباعِ سنت، مساجد کو اپنے مساکن بنانا، تلاوتِ قرآن مجید اور خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' (شرح اعتقاد اہل السنۃ للالکائی، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ: 49/1)۔

پس اصل مسئلہ کورونا یا سوشل ڈسٹینسنگ کا نہیں، مسجد کے تہذیبی و معاشرتی تفاعل کی نفی کا ہے، ورنہ خود WHO ''اصل خطرے'' کے بارے میں اعلان کرے کہ کرنسی و کرنسی مشین اور کرنسی مراکز اس وائرس کا اصل سبب ہیں۔ لیکن حکومت و نظام ''خوف'' مساجد کی بابت پھیلائیں اور ''خطرے'' کی بابت خوف نہیں بلکہ حکومتی سرپرستی قائم ہو، تو یہ واضح منافقانہ تضاد ہے۔ اس لیے ''خوف'' سے ڈرانے کی ضرورت نہیں، ''خطرے'' سے خوف پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ تبھی ممکن ہے جبکہ وہ خطرہ خوف متصور ہو، نہ کہ عقیدہ، فتدبر!۔

دل کی آزادی شہنشاہی، شِکَم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم!
اے مسلماں! اپنے دل سے پُوچھ، مُلّا سے نہ پوچھ
ہوگیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپئیر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

قادیانی مسئلہ فیڈرل شریعت کورٹ میں......

سجاد ضیغم (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

پاکستان کی قومی اسمبلی کی طرف سے پاس ہونے والی دوسری آئینی ترمیم constitution second Amendment Act, 1974 جس میں آئین پاکستان 1973 کے آرٹیکل 106 اور آرٹیکل 260 میں ترمیم کرکے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کے منکرین (قادیانی اور لاہوری گروپ جو اپنے آپ کو احمدی کہلواتے ہیں) کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ بلاشبہ یہ قرارداد جو دوسری آئینی ترمیم کے نام سے موسوم ہے پاکستان کی آئینی تاریخ کا سنگ میل اور مسلمانان پاکستان کی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے دی جانی والی لازوال قربانیوں کا ثمرہ تھی۔ اس ترمیم کے بعد قادیانی غیر مسلم تو ڈکلیئر ہو گئے مگر عملی طور پر ان کی سرگرمیاں ویسے ہی جاری رہیں۔ وہ بڑے دھڑلے سے اپنے عقیدے کا پرچار کرنے کے علاوہ اسلامی شعائر کو اپنے سے منسوب کرنے لگے تھے جس سے مسلمانان پاکستان میں روز بروز اضطراب اور تشویش پیدا ہونے لگی۔

1984 میں اس مسئلے پر زبردست تحریک چلی۔ جس کے نتیجے میں بالآخر مسلمانان پاکستان کے قلبی، ایمانی وایقانی جذبات کا خیال رکھتے ہوئے اس وقت کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے امتناع قادیانیت آرڈیننس 1984 (The Anti_Islamic Activities of Qadiani Group, Lahore Group and Ahmadis (Prohibition and Punishment) Ordinance 1984 جاری کیا جس کے تحت تعزیرات پاکستان یا Pakistan Penal Code1860 میں دفعات 298 بی اور 298 سی کا اضافہ کیا گیا، ضابطہ فوجداری یا Criminal Procedure Code(1898) کی دفعہ 99 اے و شیڈول 2 اور پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس (1963) کی دفعہ (provisions) 24 میں ترمیم کرکے قادیانیت کے پرچار، اور اسلامی شعائر کے قادیانیت کے لیے استعمال کو قابل تعزیر جرم بنا دیا گیا۔ اس آرڈیننس کی رو سے کوئی قادیانی نہ تو خود کو مسلمان کہہ سکتا ہے اور نہ ہی اپنے مذہب کو بطور اسلام پیش کر کے اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ یوں ملک میں قادیانیت کے فروغ، پھیلاؤ اور propagation پر عملی طور پر پہلی دفع ریاست پاکستان نے موثر انداز میں پابندی لگا دی۔ جس سے قادیانیوں کے ناپاک منصوبوں کو زک پہنچی۔ پہلے وہ اپنی ارتدادی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے مگر امتناع قادیانیت آرڈیننس کے بعد انگریز کی ''خود کاشتہ اس جعلی نبوت'' پر بالفعل لگام ڈالی گئی۔

قادیان کی انگریز کی تیار کردہ اس جعلی نبوت کی گرتی ہوئی دیواروں کو دیکھ کر اس کے سازشی قادیانی

ڈھنڈورچیوں نے اس آرڈیننس کے خلاف پوری دنیا میں شوروا ویلا کیا،اسے انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے تعبیر کر کے پاکستان کے خلاف عالمی سطح پر بدنام زمانہ مہم چلائی مگر انہیں مسلمانانِ پاکستان کے اس مسئلے پر کامل اتفاق اور شہدائے ختم نبوت کی قربانیوں کی بدولت ہر فورم اور ہر سطح پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔اس طرح یہ آرڈیننس جھوٹ،مکروفریب اور دجل وکذب بیانی کی قادیانی عمارت کے لیے گرزِ البرز شکن ثابت ہوا۔اس کے اجراء ونفاذ سے انگریز کی خانہ ساز نبوت کی چولیں ہل کر رہ گئیں۔پیش آمدہ حالات سے سرچکرا کر قادیانیوں کے دونوں گروہوں یعنی قادیانیوں و لاہوریوں نے بالترتیب فیڈرل شریعت کورٹ میں شریعت پٹیشنز نمبر 17/1(1984) مجیب الرحمان وغیرہ بنام فیڈرل گورنمنٹ اور شریعت پٹیشن نمبر L/2(1984) کیپٹن ریٹائرڈ عبدالواجد وغیرہ بنام اٹارنی جنرل آف اسلامی جمہوریہ پاکستان دائر کیں۔اس فیصلے کو پاکستان کی عدالتی تاریخ میں قادیانیت کے حوالے سے پہلا مفصل (exhaustive) اور لینڈ مارک (land mark) فیصلہ سمجھا جاتا ہے۔28/اکتوبر 1984 کو 142 صفحات پر مشتمل یہ فیصلہ سنایا گیا جسے بعد میں وزارتِ مذہبی واقلیتی امور حکومت پاکستان،اسلام آباد نے بڑے پیمانے پر شائع کر کے عوام الناس کو اس میں مندرج اظہر من الشمس حقائق سے روشناس کرایا۔چیف جسٹس فخر عالم کی سربراہی میں جسٹس چوہدری محمد صدیق،جسٹس مولانا ملک غلام علی اور جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی پر مشتمل چار رکنی بنچ نے قرآن وسنت اور 14 سوسالہ اجماع امت کی روشنی میں تاریخ ساز وقادیانیت سوز فیصلہ دیا۔قادیانی اس آرڈیننس کو کالعدم کروانا چاہتے تھے جبکہ وفاقی شرعی عدالت نے امتناع قادیانیت آرڈیننس کو قادیانیوں کے بنیادی حقوق کے منافی نہ قرار دے کر،مسلمانوں کے موقف کی تائید کرتے ہوئے قادیانیوں کے موقف کو باطل،حقائق کے منافی اور مبنی پر تلبیس قرار دیا۔فیصلے کے پیرا نمبر 12 کے مطابق:ان دو پٹیشنز ہائے میں قادیانیوں نے امتناع قادیانیت آرڈیننس کے ذریعے ان کے اپنے مذہب پر عمل اور پرچار پر پابندی کو شرعی اور آئینی حقوق کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا۔جس کو آگے تفصیلی فیصلے میں عدالت نے ناقابل تردید حقائق وبراہین سے غلط قرار دیا۔جبکہ فیصلہ کے پیرا نمبر 13 کے مطابق:آئینی دفعات کے باوجود پٹیشنرز نے اپنے دلائل میں اپنے آپ کو مسلمان اور اپنے مذہب کو اسلام کہلانے پر زور دیا اور موقف اختیار کیا کہ انہیں آئینی ترمیم کے زریعے کسی مذہبی ہیئت نے نہیں بلکہ حکمران جماعت نے غیر مسلم قرار دیا ہے۔یہ موقف اختیار کرنے پر پٹیشنرز پر عدالت نے واضح کیا کہ آئینی ترمیم تمام جماعتوں کی طرف سے متفقہ طور پر پاس کی گئی ہے اور پارلیمنٹ نے اپنا فیصلہ عدالتی انداز میں دونوں فریقین بشمول احمدیہ کمیونٹی کے سربراہ کو سننے کے بعد کیا ہے جس کا اسے مکمل حق حاصل ہے۔

فیصلے میں عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے مسلمانوں کے موقف اور قادیانیوں سے اختلاف پر عمدہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔قرآن مجید،احادیث شریف،اجماع امت،فقہ ولغت کی مستند کتابوں سے lexicographers، مفسرین،محدثین وفقہاے امت اور اکابرین امت کے حوالوں سے عقیدہ ختم نبوت کو واضح کیا گیا ہے۔اگر لسان العرب،

المفردات، تاج العروس، مجمع البحار کے حوالے ہیں تو وہیں علامہ ابن جریر طبری، امام طحاوی، علامہ ابن حزم اندلسی، امام غزالی، محی السنہ بغوی، علامہ زمخشری، قاضی عیاض، امام رازی، علامہ شہرستانی، علامہ بیضاوی، علامہ حفیظ الدین نسفی، علامہ علائالدین بغدادی، علامہ ابن کثیر، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ ابن نجیم، ملاعلی قاری، شیخ اسماعیل حقی، علامہ آلوسی وغیرہ کے علاوہ دس شیعہ مجتہدین وعلماء کی کتابوں کے حوالے دے کر ختم نبوت کے عقیدے کی مدلل انداز میں صراحت کی گئی ہے۔

فیصلے کے 131 صفحہ پر یہ رائے دی گئی ہے۔

The conduct of the Qadianies when they were in Quadian and held a majority and considerable influence there is relevant. The Quadianies had stopped the Muslims from calling Azan in their own mosques.
The Ahrar sent some volunteers to call Azan in mosques of Muslims in Quadian but the Quadianies attacked them with sticks and caused a large number of injuries to each of them. They had to remain bed ridden in hospitals. (Tehrik i khatm e Nabuwat1891_1974 by shorish kashmiri, page 78)
This could have been by brute force only during the British Rule. This is an example that what they considered to be their shiar (distinctive feature) was made by them practically unlawful for the Muslims. It follows that in their view also such restraint by the majority in power is legal.

ترجمہ: قادیانیوں کا رویہ جب وہ قادیان میں اکثریت اور کافی اثر و رسوخ رکھتے تھے متعلقہ امر ہے۔ قادیانیوں نے مسلمانوں کو انکی اپنی مساجد میں اذان دینے سے روک دیا تھا۔ احرار (مجلس احرار اسلام) نے کچھ رضا کار قادیان میں مسلمانوں کی مساجد میں اذان دینے کے لیے بھیجے مگر قادیانیوں نے ڈنڈوں سے ان پر حملہ کیا اور ان سب کو بری طرح زخمی کیا۔ وہ ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ (تحریک ختم نبوت 1891 تا 1974 از شورش کاشمیری صفحہ 78) یہ سب کچھ برطانوی راج کے دوران بے رحم قوت سے کیا گیا۔ یہ ایک مثال ہے کہ وہ جس چیز کو اپنا شعار (امتیازی وصف) سمجھتے ہیں اس کو مسلمانوں کے لیے عملی طور پر غیر قانونی قرار دیتے ہیں (بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبی است)۔ اس سے (عملی طور پر) یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انکے اپنے نکتہ نظر کے لحاظ سے مقتدر اکثریت کی طرف سے ایسی پابندی قانونی حیثیت رکھتی

ہے۔(آسان لفظوں میں جو رو یہ قادیانی قادیان میں اپنی اکثریت کی وجہ سے اختیار کرتے تھے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اب پاکستان میں مٹھی بھر قادیانی اقلیت کی طرف سے ریاست کے اکثریتی مسلمانوں کے جذبات کی آئینہ دار اس فیصلے یعنی امتناع قادیانیت آرڈیننس پر شور وغوغا نامناسب لگتا ہے)۔

اس فیصلے کے صفحہ نمبر 141 پر یہ رائے دی گئی ہے: مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی زندگی میں مسیح موعود، مہدی اور نبی ہونے کے دعووں پر شدید احتجاج ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد اس ایشو پر قادیانیوں کے رویے کی وجہ سے احتجاج نے شدت پکڑی جسے دبانے کے لیے 1953 میں مارشل لاء لگانا پڑا۔ تاہم یہ پابندیاں مسلمانوں کی آواز کو خاموش نہ کر سکیں، جیسا کہ یہ علماء کے مشہور 22 نکات والے مطالبے میں شامل اہم مطالبہ تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ تحریک ختم نبوت جاری رہی حتی کہ پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو انکے سربراہ مرزا ناصر احمد کے ذریعے مکمل سماعت کا موقع دینے کے بعد 1974 میں دوسری آئینی ترمیم پاس کی۔ جس میں آئین کے آرٹیکل 260 میں قادیانیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا اور آرٹیکل 106 میں ترمیم کے ذریعے انہیں دوسری اقلیتوں جیسے عیسائی، پارسی اور ہندووں وغیرہ کے ساتھ شامل کیا گیا۔ یہ قرارداد جو مسلماں کے متفقہ مطالبے اور لازوال جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ اس کے بعد قادیانیوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ پاکستان جیسے مسلم اکثریتی ملک میں اپنے آپ کو مسلمان کہیں اور اپنے مزعومات و باطل عقائد کی بطور اصل اسلام کے پرچار کر کے یہاں کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کریں۔ مگر انہوں نے آئین پاکستان کا احترام نہ کیا اور پہلے کی طرح اپنے مذہب کو اسلام کا نام دیتے رہے۔ انہوں نے اپنے مذہب کا کتب، رسائل و جرائد اور تقریر کے ذریعے بلا کسی جھجک و روک ٹوک پرچار جاری رکھا جس سے مسلمانان پاکستان میں شدید آزردگی و تشویش پیدا ہوی اس کے نتیجے میں نقص امن کا سب سے بڑا و نازک مسئلہ پیدا ہوا جس کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ امتناع قادیانیت آرڈیننس پاس اور نافذ ہوا۔

اس فیصلے میں اصل عربی عبارتیں معہ مستند حوالہ جات کے لکھ کر اور قادیانیوں کی کتابوں سیرت المہدی، روحانی خزائن، تحفۃ الندوی، توضیح المرام، ازالہ اوہام، انجام آتھم، حمامتہ البشری، براہین احمدیہ، نشان آسمانی، فتح اسلام، الملفوظات، ایک غلطی کا ازالہ، خطبہ الہامیہ، تحفہ گولڑویہ، تجلیات الہیہ، تریاق القلوب، حقیقت الوحی، کلمۃ الفصل وغیرہ سے گستاخانہ واہانت آمیز عبارات کے حوالے دے کر قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان حدفاصل کو الم نشرح کیا گیا ہے۔

اس فیصلے کے صفحہ نمبر 114 پر آئین پاکستان کے آرٹیکل 260(3) میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا آئین پاکستان کے شہریوں کی مذہبی آزادی سے متعلق آرٹیکل 20 سے تقابل کیا گیا ہے۔ جس پر قادیانی وکیل مجیب الرحمٰن نے زور دیا کہ اس آرٹیکل کی رو سے انہیں اپنے مذہب کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ جس پر فاضل عدالت نے یہ فیصلہ سنایا کہ یہ آرٹیکل Subject to law and order ہے اور قادیانی اپنے مذہب پر یوں عمل تو کر سکتے ہیں They

مگر can not profess themselves to be Muslims or their faith to be Islam.
''وہ اپنے آپ کو نہ تو مسلمان کہہ سکتے ہیں اور نہ اپنے مذہب کو اسلام کا نام دے سکتے ہیں۔'' اس مقدمے میں سب سے بڑی مشکل قادیانیوں کا رویہ تھا وہ آئین پاکستان کو تسلیم کر کے خود کو غیر مسلم گردانے کی بجائے، وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے اور اپنے پروپیگنڈے و پرچار کو اسلام کا نام دے کر پروان چڑھانے کی مذموم کوشش کرتے رہے۔ اس طرح وہ مسلم امہ کے صبر کا امتحان لیتے رہے۔ فیصلے کے مطابق اسلامی القابات ام المومنین، امیر المومنین، خلیفۃ المومنین، رضی اللہ عنہ، صحابہ اور اہل بیت کو استعمال کرنے پر پابندی کی وجہ یہ ہے کہ قادیانی ان خالص اسلامی اصطلاحات سے عام لوگوں کو دھوکہ دے سکتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ اس طرح عدالت نے میرٹ پر تفصیلی سماعت، فریقین کے دلائل اور زبانی و دستاویزی شہادتوں کو مکمل طور پر ملحوظ خاطر رکھنے کے بعد ان دونوں پٹیشنز ہائے بابت کالعدم قرار دیئے جانے امتناع قادیانیت آرڈیننس کو خارج کر کے امت مسلمہ کے ساڑھے چودہ سو سال سے متفقہ عقیدہ ختم نبوت کی ترجمانی کا شاندار فریضہ سرانجام دیا۔ جس کی جتنا تعریف کی جائے کم ہے۔ تاج و تخت ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ باد۔

اس فیصلے کو اصل متن کے ساتھ پڑھنے کے لئے ملاحظہ کریں: (8FSC1985PLD)

(نوٹ: وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف قادیانیوں نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی تھی جسے چیف جسٹس محمد ظلہ کی سربراہی میں پانچ رکنی بنچ نے خارج کیا۔ یوں قادیانی وہاں سے بھی خائب و خاسر اور بے نیل و مرام لوٹے اس کی تفصیل اگلی قسط میں۔ ان شاء اللہ العزیز

Saleem&Company
Bahar Chowk, Masoom Shah Road, Multan.
SINCE 1968
Manufacture of Quality Furniture, Government Contractors, Electronics & General Order Suppliers
سلیم اینڈ کمپنی
فون نمبر: 061-4552446
Email:saleemco1@gmail,com
بہار چوک معصوم شاہ روڈ ملتان

قادیانی اور غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق

مولانا محمد اسحٰق الہندی

محترم ڈاکٹر محمد مشتاق صاحب کتاب چہرہ (فیس بک) کی معروف علمی شخصیت ہیں جو فقہی معاملات میں عمدہ ذوق اور درک رکھتے ہیں۔ زیر نظر تحریر میں انہوں نے قادیانیوں کو اقلیتی کمیشن میں شامل کرنے پر چند پوائنٹس کو تنقیح مسئلہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ فقہ سے ایک لگاؤ رکھتے ہیں سو ہم ان کی اس پوسٹ پر جزباتی قسم کا واویلا کرنے کی بجائے اس پر قانونی اور فقہی اعتبار سے وارد ہونے والے چند اشکالات کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ امید ہے ڈاکٹر صاحب کو ان امور کی طرف توجہ دلائی جائے گی۔ ذیل میں ہم ان کی تحریر من و عن نقل کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنی معروضات کو تبصرہ کے عنوان سے پیش کریں گے۔

''اقلیتی کمیشن اور قادیانی: مسئلہ کیا ہے؟ (از ڈاکٹر مشتاق پروفیسر ہیڈ اسلامیہ یونیورسٹی اسلام آباد)

1 - پہلے یہ بات نوٹ کریں کہ 2013ء میں پشاور میں چرچ پر حملے کے بعد سپریم کورٹ کے فیصلے میں اس کمیشن کے قیام کا حکم دیا گیا تھا تاکہ اقلیتوں کے حقوق کے بہتر تحفظ کی ذمہ داری پوری کی جاسکے۔

2- اقلیتوں سے مراد ہے اسلام کے سوا کسی بھی دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے والے پاکستانی شہری ہیں۔

3- جن احباب کا خیال ہے کہ قادیانی "مرتد" یا "زندیق" ہیں، یہ ان کی رائے ہوسکتی ہے، اور ممکن ہے کہ ان کی رائے درست ہو (یا غلط ہو) لیکن کم از کم پاکستانی قانون کی رو سے ایسا نہیں ہے۔ پاکستان کے دستور کی رو سے قادیانی غیر مسلم ہیں۔ اس لیے وہ "اقلیت" کی تعریف پر پورا اترتے ہیں۔''

تبصرہ: یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ پاکستان کا دستور اقلیت یا غیر مسلم کی تو تعریف کرتا ہے لیکن اس میں مرتد یا زندیق کی کوئی تعریف موجود نہیں۔ (غیر مسلم یا اقلیت کی تعریف بھی درحقیقت مسلمان کی تعریف کے عکس سے لی گئی ہے جب بھٹو دور میں قادیانی مسئلہ اٹھنے پر عدالت عالیہ نے مسلمان کی تعریف پوچھی تھی۔)

دوسری عرض یہ ہے کہ غیر مسلم اور مرتد و زندیق میں "عموم خصوص مطلق" ہے یعنی ہر مرتد اور زندیق تو غیر مسلم ضرور ہے لیکن ہر غیر مسلم کا مرتد یا زندیق ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ ہندو سکھ پارسی عیسائی یہودی وغیرہ اگر اپنے اپنے مذہب پر ہی ہوں تو یہ فقط غیر مسلم کہلائیں گے لیکن مرتد نہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ غیر مسلم مرتد بھی ہوسکتا ہے تو دریں صورت یہ کہنا کہ " کم از کم پاکستانی قانون کی رو سے قادیانی مرتد نہیں"، قابل غور معلوم ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آئین پاکستان غیر مسلم کی تعیین کر کے اس کی انواع و جزئیات کی تفصیل سے ساکت ہے۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہوتا۔ (یعنی کسی بات کا ذکر نا ہونا اس کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتا) چنانچہ جب تک آئین

پاکستان قادیانیوں کو غیر مسلم کی سب کیٹیگیری "مرتد" سے خارج کرنے کا اعلان نہیں کرتا، تب تک انہیں مرتد نا کہنے کیلئے آئین سے استدلال درست نہیں ہوسکتا۔

4 ۔ اگر آپ میری ذاتی رائے پوچھنا چاہتے ہیں تو میرے نزدیک پہلی نسل کے قادیانی، جو مسلمان سے قادیانی بنے تھے، وہ یقیناً مرتد تھے۔ البتہ ان کی دوسری یا تیسری نسل کو مرتد نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح اگر کوئی مسیحی، یا ہندو، یا کوئی اور غیر مسلم، قادیانیت اختیار کرتا ہے، تو وہ مرتد نہیں ہوگا۔ ہاں، اگر اب کوئی مسلمان سے قادیانی بنے، تو وہ یقیناً مرتد کہلائے گا۔ البتہ یاد رکھیں کہ پاکستانی قانون میں اب تک ارتداد کی صرف ایک صورت پر سزا ہے: جب ارتداد توہینِ رسالت کی صورت میں ہو۔ ارتداد کی دیگر صورتوں پر پاکستانی قانون میں سزا نہیں ہے۔ ہاں، انگریزوں کے دور کے ایک قانون کی رو سے ارتداد کی صورت میں نکاح کے خاتمے کے لیے عدالت میں دعوی دائر کیا جاسکتا ہے۔''

تبصرہ: یہاں چند ایک امور کی وضاحت بہت اہم ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ قادیانیوں کی پہلی نسل کو جب آپ بلا شک وشبہہ مرتد تسلیم کرتے ہیں تو پھر دوسری جانب آئین پاکستان کا سہارا لیکر انہیں غیر مرتد کی کیٹیگری میں رکھنا نا قابل فہم ہے۔

دوسری بات آپ قادیانیوں کی پہلی نسل کو جب مرتد تسلیم کرتے ہیں تو یہ ماننا ہوگا کہ بالفرض آئین اگر انہیں مرتد قرار نہیں بھی دیتا تب بھی کم ازکم آپ کی نظر میں آئین کا یہ فیصلہ کسی طور پر درست نہیں کہا جاسکتا۔

(یہاں دل چسپ امر یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ ایک چیز بیان کیا کرتے ہیں کہ چیزوں کی تفہیم کرتے وقت بنیادی اصولوں کو گڈمڈ نا کیا جائے۔ تو اس اعتبار سے دیکھیں تو ڈاکٹر صاحب نے خود آئین پاکستان سے "عدول" کرتے ہوئے قادیانیوں کو مرتد کہا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے بقول آئینی لحاظ سے قادیانی غیر مسلم اقلیت تو ہیں لیکن مرتد یا زندیق نہیں...... جب کہ ہماری رائے کے مطابق چونکہ آئین غیر مسلم کی بحث کے بعد مرتد زندیق وغیرہ کی بحث سے ساکت ہے لہذا اس اعتبار سے قادیانیوں کو مرتد یا زندیق کہنا کم از کم ائین سے عدول نا ہوگا۔ بلکہ اس کے اجمال کی ایک گونہ تشریح قرار پائے گا۔)

تیسری بات: سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان کی آئندہ نسلوں کو مرتد نا سمجھنے کی وجہ بیان کریں۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو ایسا بے غبار کیا ہے اب قیامت تک کوئی ماں کا لعل قادیانیوں کے ارتداد اور زندقہ کی تاویل نہیں کرسکتا...... یہاں تفصیل کا یارا نہیں ہم ڈاکٹر صاحب سے سردست فقط اتنا پوچھنا چاہتے ہیں کہ جب خود آپ نے کہا کہ آئین پاکستان کے مطابق توہین رسالت کرنے والا مرتد ہے تو بتلایا جائے وہ کونسا قادیانی ہے جو مرزا قادیانی کی پیروی کرتے ہوئے سرکار دوعالم کے منصب ختم نبوت پر ڈالے گئے ڈاکے کا دفاع نہیں کرتا......؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اور احادیث مبارکہ پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے انہیں مرزا قادیانی

ملعون پر منطبق نہیں کرتا......؟

کیا یہ سب توہین رسالت نہیں؟ چنانچہ باقی تمام دلائل تو ایک طرف آئین کی یہ شق کہ توہین رسالت ارتداد کے زمرے میں آتی ہے، یہی ایک شق قادیانیوں کے ارتداد کو سمجھنے کیلئے کافی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ پھر آئین خود انہیں مرتد قرار کیوں نہیں دیتا تو آئین بے چارے کے اپنے ہاتھ پاوں ہوتے تو وہ یہ کام کر بھی گزرتا......لیکن یہاں درحقیقت کوئی شرعی یا اصولی وجہ کی بجائے محض خارجی طاقتوں اور اندرونی لابیوں کا دباو ہے جو آئین کی "روح" پرعمل پیرا ہونے سے روک دیتا ہے۔ اسے ایک معذوری کے درجے میں قبول کیا جاسکتا ہے جیسا کہ بالعموم علمائے کرام کا طریقہ ہے تاہم اسے ایک اصولی موقف قرار دیکر غوامد کی طرح پورس کے ہاتھی بننے سے گریز کیا جانا چاہیے۔

5۔ قادیانیوں کو اقلیتی کمیشن میں شامل کرنا ان کے "غیر مسلم" ہونے کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس لیے مجھے اس پر اعتراض کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی۔

تبصرہ: ڈاکٹر صاحب بہت بہتر طور پر جانتے ہوں گے کہ "آئین کی آڑ" لے کر کس طرح بوقت ضرورت "ہل" گرایا اور اونچا کیا جاتا ہے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ جب آئین انہیں یہ حق دیتا ہے تو ہمیں اعتراض کیوں ہے؟ مسئلہ دراصل یہ ہے کہ جب ایک فریق آئین کی طرف سے دی گئی اپنی شناخت ہی قبول نہیں کرتا تو وہ کس طرح اس شناخت سے وابستہ حقوق وصول کرسکتا ہے...... جسے بدقسمتی سے آپ نے پوائنٹ نمبر 6 میں محض ایک "جذباتی نعرہ" سے تعبیر کرکے نہایت ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا کوئی عورت اپنے آپ کو بیوی تسلیم کیے بنا بھی مہر کا استحقاق رکھ سکتی ہے؟ (ازراہ کرم یہاں فقہ کی نادرالوقوع صورتوں کی بجائے عمومی صورت کو سامنے رکھا جائے)

کیا کوئی شخص جو خود کو پاکستانی شہری تسلیم نا کرتا ہو، وہ پاکستان کے شہری حقوق کا کیونکر حقدار بن سکتا ہے؟ بلکہ یہاں تو ''صحیح مثال'' یہ بنتی ہے کہ کوئی انڈین شہری (جن کا تخم ہی پاکستان دشمنی پر پلتا ہے) ہمارے یہاں کے شہری حقوق کا استحقاق کیونکر رکھ سکتا ہے؟؟

یہ مثال اس لیے انسب ہے کہ جس طرح ''دشمن ملک'' کا شہری ہمارے ملک کے شہری حقوق حاصل نہیں کرسکتا......اسی طرح ایک قادیانی جو اسلام اور آئین پاکستان کا علانیہ باغی ہے، وہ اس آئین کے تحت بیان کردہ حقوق کیونکر حاصل کرسکتا ہے۔؟

مجھے شدید ''حیرت'' ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کس طرح اسے محض ایک جذباتی نعرہ باور کرلیا ہے حالانکہ ہر عاقل بالغ شخص اپنے روزمرہ کے معاملات میں بھی اس اصول کو بروئے کار لاتا ہے۔ آپ کسی کمپنی میں ملازمت کرنا تو درکنار اس

کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہوں اور ادھر کمپنی میں آپ کے ''بہی خواہ'' آپ کیلئے الاؤنسز منظور کروانے کے چکر میں ہوں تو ہر عاقل و انصاف پسند شخص اس پر معترض ہی ہوگا۔

6 ۔ اگر یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ خود کو غیر مسلم نہیں مانتے، اس لیے وہ آئین کے باغی ہیں، تو ایک تو یہ محض جذباتی نعرہ ہے۔ اگر آپ انھیں واقعی آئین کے باغی مانتے ہیں تو ان پر آئین سے بغاوت کا مقدمہ درج کرائیں۔ یاد رکھیں کہ آئین سے بغاوت کی تعریف خود آئین میں موجود ہے اور جنرل مشرف کے خلاف فیصلے میں عدالت نے اس کی تفصیلی تشریح بھی کی ہے۔ اس فیصلے کی رو سے جنرل مشرف تو یقیناً آئین کا باغی ہے لیکن قادیانیوں کو آئین کا باغی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہاں، اگر وہ خود کو غیر مسلم نہیں مان رہے، تو وہ آئین کی ایک شق کی خلاف ورزی ضرور کر رہے ہیں اور اگر وہ عوامی سطح پر اس کا اظہار کر کے خود کو مسلمان بتائیں، یا مسلمانوں کی اصطلاحات استعمال کریں، تو اس پر تعزیرات پاکستان کے تحت قید اور جرمانے کی سزائیں موجود ہیں۔

تبصرہ: یہاں لوگوں کو قادیانیوں پر بغاوت کا مقدمہ درج کروانے کا مشورہ دینے کی بجائے اس اصولی چیز پر بحث کرنی چاہیے تھی جسے آپ نے محض جذباتی نعرہ قرار دے دیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قادیانیوں کا یہ جرم ہرگز ایسا معمولی نہیں کہ ڈاکٹر صاحب اسے محض ''ایک شق'' کی خلاف ورزی کہہ کر ہلکا کر دیں۔

سپریم کورٹ نے اس ملک کے دو منتخب وزرائے اعظم حضرات (گیلانی اور راجا پرویز اشرف) کو اس سے بہت خفیف معاملے پر چلتا کیا ہے۔ جی ہاں ان دونوں حضرات نے بس عدلیہ کی حکم عدولی ہی تو کی تھی جو آئین کی کسی شق کا انکار کرنے سے بدرجہا اخف ہے۔

دوسری بات: یہ قصہ محض ایک شق کا ہی تو ہے جو انہیں غیر مسلم قرار دیتی ہے...... باقی آئین کے ہر ہر صفحے پر قادیانیوں کا کفر تھوڑا لکھا ہوا ہے......؟

(واضح رہے کہ نواز شریف کا سپریم کورٹ کے فیصلے سے اختلاف کرتے باہر سڑکوں پر مجھے کیوں نکالا کا واویلا ڈاکٹر صاحب کی نظر میں جس قدر بھی قبیح ہو، ہماری رائے میں وہ محض اپنے خلاف چارج کی گئی شیٹ کا انکار ہی تھا۔ آئین کی کسی شق کا انکار ہرگز نا تھا۔)

7 ۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ اگر قادیانی آئین کی اس شق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خود کو غیر مسلم ماننے سے انکاری ہیں، تو وہ اس کمیشن میں شامل ہی کیوں ہوں گے؟ اس صورت میں تو پریشانی کی کوئی بات ہی نہیں رہی۔ اس کے برعکس اگر وہ اس کمیشن میں شامل ہوں، تو وہ خود کو غیر مسلم مان کر ہی شامل ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے تو یہ نہایت صائب فیصلہ ہوا۔

تبصرہ: قادیانی جس طرح آئین پاکستان پر حلف لے کر وزیر مشیر بھی بن جاتے ہیں، ختم نبوت کے حلف نامے پر دستخط

بھی کر دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اسی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے ہیں......اسی طرح یہ لعین یہاں کریں گے۔

آپ پوچھیں گے پھر اس کا حل کیا ہے؟ سوعرض ہے کہ ''حل'' تو ان کے ہاتھ میں ہے جو ''ارباب حل وعقد'' ہیں......ہمیں تو اتنا کرنا ہے کہ جس قدر اس حقیقت کو سمجھتے سمجھاتے جائیں گے، اسی قدر ان کی ریشہ دوانیوں کا راستہ رکتا چلا جائے گا۔ اس لیے از راہ کرم اسے ''صائب'' یا دور اندیشی پر مبنی فیصلہ باور کروا کر ان کا راستہ مت کھولا جائے......

8 ۔ اگر یہ خدشہ ہے کہ اقلیتی کمیشن میں شامل ہو کر وہ اپنے رسوم وغیرہ کا تحفظ کر سکیں گے، تو ایک تو وہ ایسا بطور اقلیت، یعنی بطور غیر مسلم ہی کریں گے۔ اس لیے پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ دوسرے، وہ بطور غیر مسلم اپنے رسوم کر سکیں گے لیکن ان پر قانونی پابندی برقرار رہے گی کہ وہ خود کو مسلمان بنا کر نہ پیش کریں ورنہ مذکورہ بالا قانون کی رو سے ان کا یہ فعل قابلِ سزا جرم قرار پائے گا۔ چنانچہ ان کے رسوم وغیرہ کا تحفظ اس شرط کے ساتھ مشروط ہوگا۔

تبصرہ: یہ بھی خوب رہی......کیا اب تک وہ اپنی رسوم بطور غیر مسلم کرتے ہیں جو ہم "بلاوجہ" کی یہ "خوش فہمی" پال لیں کہ طاقت اور اختیار ملنے کے بعد وہ "انسان کے بچے" بن جائیں گے......؟

9 ۔ اگر کسی کو یہ خدشہ ہے کہ اس کے بعد وہ اس قانون کو اپنے حقوق سے متصادم قرار دے کر ختم کروانے کی کوشش کریں گے، تو ایک تو سپریم کورٹ کا لارجر بنچ ظہیر الدین کیس میں قرار دے چکا ہے کہ یہ قانون دستور میں مذہبی آزادی کے حق سے متصادم نہیں ہے اور یہ کہ جب تک دستور کی رو سے وہ غیر مسلم ہیں تو وہ خود کو مسلمان کے طور پر پیش نہیں کر سکتے کیونکہ یہ دھوکا ہے اور کوئی دستوری حق دھوکے کی اجازت نہیں دیتا۔ دوسرے، اس صورت میں ہم سب پر لازم ہوگا کہ ان کی اس کوشش کو ناکام بنائیں اور اس قانون کا تحفظ کریں۔

تبصرہ: ہمارا نہیں خیال کہ طاقت اور اقتدار کے باب میں قادیانی ہم مسلمانوں جیسے "بھولے بھالے" اور "غیرت مند" واقع ہوئے ہیں چنانچہ وہ دامے درمے سخنے کی پالیسی کے ساتھ ہر لمحہ تیار رہتے ہیں اور اس موقع سے بھی بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ خاکم بدہن کہ وہ اس کے بعد کھلم کھلا اپنی مذہبی رسومات بجالانے لگیں اور ڈاکٹر صاحب ہمیں پاس کر یا برداشت کر کا سبق دینے لگ جائیں۔

10 ۔ یہ ساری بحث اس وقت تک فرضی بحث ہے جب تک قادیانی اس کمیشن کی رکنیت قبول نہیں کر لیتے، اور ایسا کرنے کے لیے ان پر لازم ہوگا کہ وہ خود کو غیر مسلم مان لیں۔ اس لیے مجھے تو پریشانی کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو رہی۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔ ھذا ما عندی، والعلم عند اللہ۔

تبصرہ: ہمیں آپ کے اخلاص علم و دیانت میں قطعاً کوئی شک نہیں لیکن ہمیں جو محسوس ہوا گوش گزار کر دیا ہے۔ امید ہے اس گزارش کو ''ایمان و یقین'' کا معرکہ نہیں بنایا جائے گا بلکہ ایک مخلصانہ اختلاف پر ہی محمول کیا جائے گا۔

والعصر

سعود عثمانی

وہ چوکور سا دائرہ مجھ کو دائیں سے بائیں لیے چل رہا تھا
طواف اپنے مرکز کی جانب مجھے کھینچتا تھا
تمازت بھرا عصر کا وقت تھا اور دن ڈھل رہا تھا
میں رکنِ عراقی سے آگے بڑھا رکنِ شامی کی جانب
اور اس کو نگاہوں سے بوسہ دیا
کوئی آگ بھڑکی ہوئی تھی اور اس میں بدن جل رہا تھا
میں تھوڑا جھکا میری بائیں ہتھیلی نے رکنِ یمانی کو چوما
مرے ساتھ پیروں تلے میرا دل چل رہا تھا
اور آنکھیں جو ہمراہ آئی تھیں مجھ کو بھگو نے

مرے تین کونے
الٰہی یہ میرے عراق اور شام اور یمن ہیں
الٰہی مرے تین کونے

☆......☆......☆......☆

کرونا اک بہانہ ہے

ابوسفیان تائبؔ

وبائیں جب بھی آتی ہیں
گناہوں سے ہی آتی ہیں
خدا ناراض ہوتا ہے
تو پھر تنبیہ کرتا ہے
یہ ہے وائرس گناہوں کی
دکھی مظلوم آہوں کی
کریں توبہ گناہوں سے
خدا ناراض ہے ہم سے
کہا دنیا کو جی سب نے
جھنجھوڑا ہے ہمیں رب نے
حقیقت میں ہوں شرمندہ
کریں آباد مسجد کو
تو نیک اعمال ہوں زندہ
نہیں آزاد یہ وائرس
یہ تو پابندِ خالق ہے
دجّالی سازشیں ہیں سب
محافظ ہے ہمارا ربّ
کرونا اک بہانہ ہے

اک اللہ کو منانا ہے
پڑھیں قرآن روز و شب
سکونِ دل ملے گا تب
جھکیں اللہ کے آگے
منائیں رو کر اللہ کو
ختم ہو لاک ڈاؤن بھی
ہر اک شئے آئے حرکت میں
ہو سب کا ہاتھ برکت میں
کریں راضی ہم اللہ کو
بنیں مخلوق کے خادم
گناہوں پر رہیں نادم
ملے پھر دائمی راحت
بنیں دونوں جہاں جنت

تاریخ احرار

(دوسری قسط)

مؤلف: مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ: امام سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تحریک سے متعلقہ لٹریچر بہ شمول تاریخ احرار کے سلسلہ میں جماعت کے مختلف عناصر کا جونفسیاتی تجربہ سابقہ صفحات میں پیش کر دیا گیا ہے اسے ملحوظ رکھنا بہر طور ضروری ہے۔ اس کا اصولی مفاد یہ ہے کہ جماعت کی طرف سے کسی بھی مطبوعہ مضمون و خطبہ اور کتاب میں بہ وقت مطالعہ قارئین کو اگر کسی لکھنے والے بزرگ کے فکر و مسلک اور جماعتی عقائد ومقاصد میں کوئی بعد وتضاد محسوس ہوتو مذکورہ بالا تجزیہ دیکھ کر ایسے اختلاف کو فی الحقیقت جماعتی منشور کا معنوی اختلاف وتضاد سمجھنے کا خطرہ ٹل جائے گا۔ کیونکہ ایسی مشکوک تحریر لازماً جماعت میں شامل رہے ہوئے کسی دوسرے فرقہ سے متعلق رہنما اور کسی خاص علمی وسیاسی موضوع سے دلچسپی رکھنے والے بزرگ کے ذاتی تاثر وخیال اور انفرادی رجحان ورائے کے تحت ہی شاملِ مضمون ہوئی ہوگی۔ بطورِ اصول پوری جماعت کے مرکزی فکر وعمل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ کیوں کہ جماعتی منشور و دستور اس کی مطبوعات اس کے تحریک وعمل اور اکابر کے فکر و مسلک میں بحمد اللہ کوئی حقیقی اختلاف وتضاد ہے ہی نہیں۔ اب چاہے شیعہ، سنی مسلک کی تحقیق ہو یا دیوبندی، بریلوی اور غیر مقلد مکتب فکر کی کوئی بحث ایسے ہی مسئلہ اصلاحِ معاشرہ اور کسان مزدور کی تنظیم کا ہو یا ملکی دستور وقوانین کی تدوین وتشکیل کا اور وہ مضمون وکتاب یا خطبہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مفکرِ احرار امیر افضل حق، مولانا داؤد غزنوی اور مظہر علی اظہر کی کوئی نگارش ہو یا شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین اور حافظ علی بہادر خان کا کوئی نقش قلم جس موضوع کی تشریح میں جہاں کہیں کوئی رائے جماعتی اصول ومقاصد سے اجنبی اور اس کی تحریک وجدوجہد سے مختلف اور متناقض محسوس ہو، اس سے اصل حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیوں کہ جماعت کی بنیادی ساخت اور قبل از تقسیم والے اس کے طریقہ کار پر تاریخی نظر رکھنے والا ہر شخص اسے بہر کیف وبہر حال کسی بزرگ کا ایک اتفاقی اور انفرادی احساس وتاثر اور ذاتی رائے تو سمجھے گا جماعت کا کوئی فکری منصوبہ اور اس کا اجتماعی منشور ونظام ہرگز قرار نہیں دے سکتا۔ کیوں کہ ہزار حدۃِ فکر ویگانگتِ عمل اور ہزار جماعت واجتماعیت کے رنگ میں ڈوب جانے کے باوجود بھی گلہائے رنگارنگ سے چمن کو زینت دینے والے احسن الخالقین کا ضابطہ تخلیق یہی ہے کہ ہر شخص کی ذات اور انفرادیت بہرحال اپنا اظہار چاہتی ہے اور اس کے اظہار میں اختلاف اور انوکھا پن اصول فطرت کے عین مطابق ہے کوئی عیب اور موجب اعتراض امر نہیں ہے۔

وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَالِكَ لَاٰيَاتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (الروم پ ۲۱)

ترجمہ: تمہاری زبانوں اور رنگتوں کے جدا پن میں بلاشک اہل علم کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

مصنف کتاب کے مفصل و مستند سوانح تو انشاء اللہ تھوڑے عرصہ تک ایک مستقل کتاب کی صورت میں نیز ''زعماء احرار'' نامی زیرِ ترتیب کتاب میں شامل کر کے کچھ مدت بعد نذرِ قارئین کیے جائیں گے البتہ خلاصۂ احوال ملاحظہ کریں۔

رعنا قد، گٹھیلا جسم، کشادہ سینہ، شگفتہ رنگ، تبسم فشاں، چمکیلی شربتی آنکھیں، ابھرے ہوئے رخسار، گول چہرہ، ہلکی ہلکی ملگجی ڈاڑھی، لمبی ستواں ناک، تیکھے نقوش، نکیلے خط و خال، آواز بلند اور پاٹ دار مگر جیل میں سرمہ کھِلائے جانے کے بعد سے آخر عمر تک دبی گھٹی اور وقفہ وقفہ سے کھلنے والی لہجہ متین اور باوقار، مزاج میں رنگینی اور لطافت، طبیعت میں ظرافت و شرافت، خاندانی وجاہت و تمکنت کا مثالی پیکر ''افضل حق'' نام، مفکر احرار لقب، تخلص نامعلوم، خاندانی وطن مالوف گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور مشرقی پنجاب، راجپوت برادری کے ایک معزز شریف اور نیک گھرانے میں جناب چودھری امیر خان مرحوم کے ہاں ۱۳۰۸ھ بمطابق ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ بعض مخصوص حالات کی وجہ سے گھر والوں کا امرت سر میں قیام ہو گیا تھا۔ ۱۳۱۶ھ بمطابق ۱۸۹۹ء کے دوران امرت سر کے ایک سکول میں داخل ہوئے فطری استعداد اور ذہانت نے ہر جماعت میں ممتاز رکھا۔ ماحول ابتدا ہی سے دینی تھا، خصوصاً والدہ محترمہ بڑی پارسا خاتون تھیں بچپن میں ہی مذہب سے شغف تھا گھر والوں کی دیکھا دیکھی عبادت میں مشغول ہو جاتے فرائض کے علاوہ نوافل کے بھی پابند ہو گئے تھے۔ خود نوشت سوانح میں فرماتے ہیں ''اس زمانے میں شاید ہی کوئی نماز قضا ہوتی ہو''۔ انگریز پرستوں سے قدرتی طور پر شروع سے ہی متنفر و بیزار تھے اور اس دورِ جبر و تشدد میں بھی جو حضرات انگریز دشمنی کا دم بھرتے مرحوم ان کے مداح ہوتے تھے۔ سوءِ اتفاق کہ سکول میں جانے کے بعد نئی تعلیم و تہذیب کا جوں جوں رنگ چڑھتا گیا۔ بے لوث طبیعت اس کے خطرناک اثرات کا عکس لیتی رہی قربِ بلوغت کے وقت ہی افکار میں سخت برہمی اور عقائد میں تذبذب پیدا ہونے لگا حتیٰ کہ نوعمری میں ہی وہم و خیال نے وجود باری تعالیٰ کے انکار تک پرواز کی اس مرض کے علاج کے لیے کچھ مدت سرگرداں رہے اور اسی حالت میں ایک بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر ڈالی۔ ذوق صحیح اور فہم سلیم تھا، نیکی ورثہ میں ملی تھی، خارجی تربیت ذکر اللہ میں مشغولیت اور کثرت عبادت نے اَشہبِ عقل کی تیز گامیوں کا رخ بجائے بے راہ روی کے پھر صراط مستقیم کی طرف موڑ دیا۔ اور انکارِ مذہب کا شیطانی وسوسہ بحمد اللہ دور ہو گیا کئی برس کی محنت سرے چڑھی اور افضل حق بجائے ایک آوارہ و ناکارہ شخص کے جوان صالح کے روپ میں نمودار ہوئے امرتسر میں انٹرنس تک تعلیم پائی۔ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء کے دوران میں لاہور آ کر اسلامیہ کالج میں پڑھنا شروع کیا سوءِ اتفاق سے ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں ایف۔اے میں فیل ہو گئے ۱۳۳۲/۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۳ء میں ''دیال سنگھ کالج'' میں داخلہ لے لیا یہاں کا فطرتاً اجنبی ماحول طبیعت پر بہت اثر انداز ہوا تاہم ابتداء عمر سے فکر و عمل پر چونکہ دین غالب چلا آتا تھا، اسی کا اثر معاون بنا کالج کی اعلیٰ تعلیم اور بھی آزادانہ تھی اس لیے سابقہ تجربہ کے پیش نظر ہر قابل غور مسئلہ کو تحقیق و تفتیش سے حل کرنے کی فکر طبیعت کا عام انداز بنا رہا۔ دفاعی تدابیر کے باوجود دوران تعلیم

میں اسی کالج کے ایک ہندو پروفیسر مسٹر ''مِسرا'' کے ساتھ تصوف کے موضوع پر بحث ہوگئی، بساط کے مطابق جواب دِہی کرتے رہے لیکن علوم دینیہ سے عدم واقفیت اور اسلام کے شعبہ عبادات کی صوفیانہ تعبیر سے علمی اور فنی لگاؤ نہ ہونے کے باعث اس کی تشریحات کے متعلق مدت مدیدہ تک دل میں ایک کھٹک باقی رہی۔ دورانِ تعلیم میں ہی آپ کی صحت خراب رہنے لگی خصوصاً کھانسی کی تکلیف شدت اختیار کرگئی حالات پر قابو نہ رہا تو آپ نے کالج کی تعلیم بھی ادھوری چھوڑ دی۔ باوجودیکہ مرحوم شروع سے ہی باغیانہ رجحانات رکھتے تھے لیکن فرنگی کا یہ سارا نظام تعلیم ہی چونکہ حقیقی علم سے دوری کا سبب اور صرف ملازمت و نوکر شاہی کے کارندے پیدا کرنے کا مہذب ذریعہ ہے پھر اسی نظام کے تحت نوجوانوں کو تربیت کالادین ماحول نصیب ہوتا ہے اور اس کے بالکل منفی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا مرحوم کو بھی انھی امور سے سابقہ پڑا اور اسی قسم کے نتائج بھی ترکِ تعلیم کے وقت مرتب ہوئے چنانچہ کچھ مدت کے انتظار اور غور و مشورہ کے بعد آپ پولیس میں سب انسپکٹر بھرتی ہوکر ٹریننگ کے لیے قلعہ پھلور ضلع لدھیانہ میں چلے گئے اور فراغت کے بعد لدھیانہ میں تھانہ صدر کے سب انسپکٹر متعین ہوکر کچھ مدت تک وہیں مقیم رہے۔ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم ترکی کی شکست پر ختم ہوئی اتحادی ممالک نے اس کے مقبوضات اور اس کی حدود میں شامل تمام اہم مقامات بندر بانٹ کرکے آپس میں تقسیم کر لیے۔ خلافت عثمانیہ کی موت کے پروانہ پر دستخط ہوگئے مسلمانوں کے بین الاقوامی مصائب کے نئے باب کا افتتاح ہوا پوری اسلامی دنیا میں اس حادثہ سے کہرام برپا تھا ہر فرد بشر بہ قدر شعور احساس متاثر ہوا آپ بے حد حساس اور غیور تھے سخت اثر لیا خصوصاً رعایا اور ملازم ہونے کی دوہری غلامی نے تازیانہ کا کام کیا۔ خودنوشت سوانح میں فرماتے ہیں کہ انگریزی ملازمت کی ایک ایک گھڑی میرے لیے ناقابل برداشت تھی۔ ایک سچے مسلمان کی حیثیت میں طبیعت کی اشتعال انگیز اثر پزیری اور غم کائنات کی وسعت و ہمہ گیری خصوصاً انگریز سے وحشت اس کے کفر یہ اقتدار کے ساتھ غیر اختیاری تعاون تک سے ذہنی بغاوت دل برداشتگی اور گریز آپ کے نظریاتی تغیر اور عملی انقلاب کا بڑا اور بنیادی سبب تھا۔ انھی دنوں آپ کے بڑے بھائی طویل علالت کے بعد انتقال کرگئے اس ذاتی صدمہ نے قومی صدمات میں زبردست اضافہ کیا طبیعت مذبذب ہوگئی اور ملازمت سے چھٹکارے کی تدابیر سوچنے لگ گئے۔

۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے جو تحریک خلافت کا دورِ عروج تھا۔ بہ سلسلہ تحریک لدھیانہ میں ہی ایک قومی اجتماع منعقد ہوا حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریک اور اس جلسہ کے روح و رواں تھے انھی کا خطاب تھا سرکاری رپورٹر پولیس کے مکمل عملہ کے ہمراہ کراماً کاتبین کا فرض ادا کررہے تھے۔ اسی حلقہ میں ایک قوی ہیکل، جوان رعناء جس کی خاندانی شرافت و وجاہت اس کے چہرہ سے عیاں تھی زیادہ انہماک سے رپورٹ منضبط کررہا تھا۔ حضرت امیر شریعت نے تلاوتِ قرآن کریم کے بعد واقعات وحقائق اور شعر و ظرافت کے امتزاج کے ساتھ فرنگی کی ازلی وابدی اسلام دشمنی کی مفصل تاریخ بیان فرمائی۔ ترکی سے خلافت کے خاتمہ اور سلطانِ ترکی کی

معزولی، جنگ عظیم ثانی میں ترکوں کی مظلومی ورسوائی، ارضِ ہند میں تحریک آزادی وطن کے دوران میں فرنگی کے انسانیت سوز مظالم، ہندو اکثریت سے متوقعہ خطرات اور مسلمانوں کی دوگونہ بے کسی ومجبوری کی داستان دہرائی تو مجمع مسحور ہو چکا تھا، فضا وجد کر رہی تھی، تفتیش وتجسس کی پگڈنڈیوں میں بل کھاتا ہوا قلم یکا یک رک گیا اور وہی نوجوان جو چند گھڑیاں پہلے ''طَوعاً وَّ کَرھاً'' اطاعت فرنگ کا لبادہ اوڑھے ہوئے سام راج کے باغی امام خطابت اور وقت کے عظیم دینی رہنما کی بے باکانہ تقریر سرکاری مسل میں محفوظ کر رہا تھا اس پر حقیقت آشکار ہوگئی۔ غیر ملکی اقتدار وتسلط کے مظالم کی داستان دل کی کایا پلٹ کر گئی نیم خفت جذبات بھڑک اٹھے، قلم رک گیا، آنکھیں آنسوؤں کی شبنمی جھالر بننے لگیں، رپورٹر افضل حق اپنی جگہ سے ہل گئے، فطری استعداد اور نسلی خودداری نے سونے پر سہاگے کا کام دیا، جلسہ کے بعد جیسے کیسے ہیڈ کوارٹر واپس پہنچے، دل ودماغ میں انقلاب آچکا تھا، مردقلندر کی برق آفرین نگاہ اپنا مخفی کام کر ہی چکی تھی، ادھر حضرت امیر شریعت اپنی تقریر کی پاداش میں میاں والی جیل پہنچے اور اس طرف چودھری صاحب نے اہل خاندان ارباب محکمہ اور دوسرے تمام فرضی خیرخواہوں کی ہر نصیحت کو بالائے طاق رکھ کر ملازمت سے استعفاء دے دیا اور حضرت امیر شریعت کے دامن محبت ورفاقت میں پناہ لے لی

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے

اس پر بس نہیں کی، شدتِ تاثر اور فرطِ جذبات کے تحت چند روز بعد اپنے مُستَقر تھانہ صدر کے قریب ہی اسی موضوع پر خود ایک کامیاب تقریر کر ڈالی عوام وخواص اور خود حکومت والے اس روحانی انقلاب وتغیر پر حیران تھے۔

آخر گھر واپس آ گئے تعمیری سرگرمیاں شروع کر دیں گڑھ شنکر اور مضافات میں از خود جلسہ کا اہتمام کر کے عوام کو ان کے فرائض وحقوق اور تحریک کے اصول سے آگاہ کرتے، غلامی کی آہنی گرفت مضبوط تھی۔ حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک حکومت الٰہیہ ان کے جہاد وشہادت اور انقلاب ۱۸۵۷ھ کے نتائج سے ڈرے ہوئے مسلمان معمولی اصلاحی اور رفاہی اقدام سے بھی خائف تھے۔ آپ کے استعفاء کے بعد حکومت کی خاص نگرانی کے پیش نظر لوگ علانیہ تعاون سے گریزاں رہتے، بلکہ عافیت کوش مخالفت ومزاحمت کرتے، ہندو اور سکھ چونکہ کانگرس کی بدولت نسبتاً زیادہ ہوشیار وبیدار اور منظّم وبے باک ہو چکے تھے اس لیے زیادہ متوجہ ہوتے، حکومت نے گڑھ شنکر کو گہری نظر سے دیکھنا شروع کیا آپ کے بڑھتے ہوئے سیاسی اثر ورسوخ اور قومی اعتماد کا جائزہ لینے کے لیے ''کمشنر ہر کشن لال کول'' جو بعد میں ریاست کشمیر کا وزیر اعظم بنا تھا خود وہاں پہنچا اس نے گفتگو کے لیے بلایا آپ نے انکار کر دیا اس نے برادری میں سے ایک ذیل دار کو واسطہ بنا کر متاثر کرنے کی تدبیر کی تو جواب دیا کہ اس کے پاس نہیں جاؤں گا البتہ تمہاری خاطر اپنے مکان پر ملاقات کرتا ہوں۔ خلاف توقع جواب پا کر کمشنر واپس چلا گیا۔ ''تحریک ترک موالات'' یا ''عدم تعاون'' جوبن پر تھی اس ہنگامہ آرائی میں آپ نے دو سال تک بڑے جوش اور پامردی کے ساتھ حصہ لیا۔ سول نافرمانی شروع ہو چکی تھی۔ خلافتی

کانگریسی رہنما اور کارکن دھڑا دھڑ جیلوں میں جا رہے تھے آپ نے تقلیداً سخت مخالفانہ تقاریر کیں سابقہ انتہا پسندانہ رویہ اور یہ سرگرمیاں سبب بنیں آپ کو زیرِ دفعہ ۱۲۴ الف، ب مقدمہ بنا کر وارنٹ دکھائے بغیر پہلی مرتبہ گرفتار کر کے ''ماہل پور'' حوالات میں پہنچا دیا گیا۔ چند روز بعد سماعت مقدمہ کی غرض سے مورخہ ۱۲؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۴؍ فروری ۱۹۲۲ء بروز جمعہ ''ہوشیار پور'' جیل میں منتقل کر دیئے گئے۔ ابتداءً سپیشل کلاس میں رکھا گیا تحریری بیان کے لیے صرف دو روز کی قطعاً ناکافی مہلت دی گئی تھی اس لیے آپ نے ۱۸؍ جمادی الاخریٰ ۱۹۴۰ء مطابق ۱۶ فروری ۱۹۲۲ء کو یک شنبہ (اتوار) کو کچہری میں پیشی تک احتجاجاً کوئی بیان نہ دیا مختصر مگر سخت بحث کے بعد چھے ماہ کی سزا دی گئی جیل میں بھی آرام سے نہ بیٹھے بلکہ قیدیوں کے معاشرتی و اخلاقی معاملات اور سیاسی حقوق اور دوسرے کئی جائز مطالبات کے لیے بھوک ہڑتال تک نوبت پہنچی جسے مکمل وقار کے ساتھ نبایا۔ حکام نے تنگ آ کر آپ کو ایک سکھ ساتھی کے ہمراہ ''انبالا'' جیل میں منتقل کر دیا وہاں بھی یہی کچھ پیش آیا تو آپ کو قید تنہائی میں ڈال دیا گیا قریباً تیرا چودہ گھنٹے پاؤں میں بیڑی اور ہاتھوں کو اوپر اٹھا کر کڑیاں باندھی گئیں دوران خون معطل ہونے سے یہیں فالج کا حملہ ہوا اسی جیل میں آپ کو گندی غذاء کے ساتھ ساتھ سرمہ کھلایا گیا جس سے عمر بھر کے لیے گلے کی بندش کا موذی عارضہ لاحق ہوا۔ نیز کھانسی دمہ اور دائمی قبض جیسے مہلک امراض کا بھی شکار ہو گئے اس کے باوجود اپنے کام میں مصروف رہے کئی مطالبات منظور کرالیے جیل میں اصلاحات کا آغاز ہوا آپ کی مبارک صحبت سے بیسیوں قیدی پاک باز بن گئے جیل گھر کی طرح خوش گوار ہو گئی اور چھے ماہ کا عرصہ گذر گیا۔ رہائی کے بعد پھر سابقہ دینی قومی اور سیاسی مشاغل کا آغاز ہوا اسی دوران میں اللہ تعالیٰ نے ماحول اتنا سازگار فرمادیا کہ پنجاب ''لیجسلیٹو'' اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہو گئے اور بارہ برس تک اہم قومی اور اسلامی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۴۵، ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں راولپنڈی کے سکھ مسلم فسادات کے خطرناک نتائج سے فکر مستقبل کے طور پر سکھوں کی ''کرپان'' کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے کلھاڑی رکھنے کا بل پیش کیا اور بڑی صبر آزما جد وجہد کے بعد اسے منظور کرا کے دم لیا یہ آپ کا اہم کارنامہ ہے جس کے لیے قوم، ہمیشہ کے لیے آپ کی ممنون رہے گی۔

اس کے بعد دو سال کا عرصہ سیاسی لحاظ سے بڑا طوفانی دور تھا پنجاب کی ''کمیونسٹ دہشت پسند پارٹی'' نے تشدد آمیز کارروائیاں شروع کر دیں ''سائمن کمیشن'' جو اقوام ہند کی مشترکہ مشکلات حل کرنے کے لیے مرتب کیا گیا تھا جب اس میں خود ہندوستانی نمائندوں کو ہی جگہ نہ دی گئی تو ہندو مسلمان دونوں مشتعل ہو گئے۔ اسی گڑ بڑ میں لالہ ''لاجپت رائے'' ایک انگریز افسر کی لاٹھی سے سخت مضروب ہو کر جان دے بیٹھے یہ واقعہ ایک مستقل ہیجان کا ذریعہ بنا تھوڑے وقفہ سے دہشت پسندوں نے انتقام میں بم مار کر ایک دوسرے انگریز افسر ساںڈرس کے پرخچے اڑا دیے۔ سرکاری تجسس و تفتیش کے ذریعہ تمام کارروائیوں کا راز کھل گیا۔ بھگت سنگھ دت اور بوس جیسے سرغنہ انقلابی پکڑے گئے اور ہزار جتن کے باوجود بھی رہائی نہ ملی پھانسی پر لٹکائے گئے اور ان کی لاشیں جنگل میں جلا کر دریائے ستلج میں بہا دی گئیں۔ عوامی جذبات سرد ہو گئے پھر کچھ مدت

بعد بدنام زمانہ نہرو رپورٹ سکھوں کی ضد، بے اعتباری و خیانت اور ہندوؤں کی معروف متعصب اور فریب آمیز سیاست گریز و فرار مسلمانوں کے حقوق کے نقصان کے خطرہ نے ہماہمی پیدا کی، علی برادران اور چند دوسرے مسلم رہنما کانگریس سے الگ ہو گئے۔ مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھ دی گئی، بقیہ اکابر جو بعد میں بانی احرار ہوئے ان کی اکثریت ابھی تک خلافت اور کانگریس سے وابستہ تھی۔ ۴۸،۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء کا یہ سال بڑا عجیب اور ہنگامہ خیز زمانہ تھا۔ خلافت اور کانگرس کی مشترکہ جدوجہد سے آئینی انقلاب کے واضح آثار پیدا ہونے لگے تو لارڈ اِروِن وائسرائے ہند نے گاندھی جی کو صلح کی پیش کش کر دی۔ گفتگو ناکام ہو گئی تا آنکہ لاہور میں کانگریس کا مشہور انڈیا اجلاس منعقد ہوا جس میں قانون نمک سازی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عام نافرمانی اور حصول کامل آزادی کی قرار داد منظور کر لی گئی۔ آزاد خیال مسلم رہنما اس وقت دو دھڑوں میں تقسیم تھے یعنی خلافت اور مسلم لیگی مسلم کانفرنس اور خلافت اور کانگریس، علی برادران صرف اپنی منوانا چاہتے تھے۔ انھوں نے خلافت کے پنجابی رہنماؤں میں سے حضرت امیر شریعت، محترم شیخ حسام الدین، مولانا داؤد غزنوی رحمتہ اللہ علیہم، جناب مولوی مظہر علی اظہر اور مرحوم چودھری صاحب کو مطلقاً باغی گروپ قرار دیا گیا اور مولانا عبدالقادر قصوری اور جناب مولوی ظفر علی خان مرحومین پر محض گروہ بندی اور جاہ و اقتدار پسندی کا جرم عائد کیا گیا۔ چودھری صاحب مرحوم اپنے دوسرے رفقاء سمیت خلافت سے الگ ہو گئے اسی موقع پر یہ سب معتوب رہنما ایک جگہ غالباً دفتر خلافت بیرون دہلی دروازہ لاہور جہاں تقسیم ملک کے کچھ عرصہ تک اخبار احسان کا دفتر قائم تھا جمع ہوئے اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ کے خاص ایما و مشورہ اور زبردست خواہش اور تجویز کے مطابق مجلس احرار اسلام کے نام پر ایک مستقل انقلاب و آزادی پسند، خالص اسلامی جماعت کے قیام کا فیصلہ ہوا، بانی حضرات میں اصولاً صرف یہ بزرگ شامل تھے سید الاحرار حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، محترم شیخ حسام الدین، مفکر احرار جناب امیر افضل حق رحمتہ اللہ علیہم، جناب غازی عبدالرحمٰن امرت سری، جناب مولوی مظہر علی اظہر، مولوی ظفر علی خان صاحب مرحوم، علی برادران کے ذریعہ مطعون ہو کر بھی احرار کے بانی بزرگوں کے گروہ سے متفق نہ ہوئے۔ فطری تلون، مصیبت خیز، اختلاف پسندی، کسی سے بھی نباہ نہ کر سکتے زبردستی آگے نکلنے اور مستقل لیڈری کی زمین ہموار کرنے کی خوگر سیمابی طبیعت اور خطرناک منتقم مزاجی ان کا عرف و شعار تھا چنانچہ انھی اثرات کے مطابق اپنی الگ ٹولی بنانے کے لیے اندرونی پخت و پز۔ کی اکابر احرار کے بے مقصد و بے درد حریف جناب ڈاکٹر محمد عالم گجراتی مرحوم اور انگریز کے چند سرکاری درباری لوگوں کو ساتھ ملایا اور جس دن لاہور میں مجلس احرار اسلام کی باوقار تشکیل ہو رہی تھی بابائے زمیندار مرحوم عین اسی روز لاہور ہی میں ڈاکٹر محمد عالم مرحوم کے مکان پر احرار کے بالکل متوازی ایک نئی فرضی جماعت بنام مسلم نیشنل پارٹی کی تشکیل میں مصروف تھے۔ ادھر نمکین ستیاگرہ شروع ہو چکی تھی۔ مولانا آزاد رحمتہ اللہ علیہ اپنی جگہ مرحوم چودھری صاحب کو بلا مشورہ اپنا قائم مقام نامزد کر گئے۔ آپ کی صحت خراب تھی جیل جانے کا ارادہ نہ تھا تاہم مرکزی کانگرس ورکنگ کمیٹی کے

خلاف قانون اجلاس منعقدہ دہلی میں شرکت کی تو محترم ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم پریزیڈینٹ'' وٹھل بھائی پٹیل'' ''پنڈت مدن موہن مالویا''اور دوسرے ارکین کے ہمراہ گرفتار ہو کر قریباً نو ماہ کے لیے سزایاب ہوگئے۔ یہ دوسری قید محرم ۱۳۴۹ھ مطابق مئی ۱۹۳۰ء میں ہوئی چند روز تک آپ کو دوسرے ساتھیوں سمیت دہلی جیل میں رکھا گیا پھر ڈاکٹر انصاری مرحوم لالہ دُنی چند اور سکھ لیڈر منگل سنگھ گجرات جیل میں بھیج دیئے گئے۔ چونکہ پہلی گرفتاری کے وقت آپ کے احتجاجی طرزِ عمل سے حکومت پنجاب پہلے ہی باخبر اور چوکنی تھی، اس لیے آپ کو پنجاب کی کسی بھی جیل میں رکھنے سے انکار کر دیا چنانچہ تھوڑے وقفہ سے پھر تقسیم کی گئی پنڈت مالویا کو بنارس، پریذیڈنٹ پٹیل کو انبالا اور آپ کو گورکھپور جیل میں منتقل کر دیا گیا اسی جیل میں آپ نے خالص اسلامی ادب کا نمونہ اور انشاء عالی شہکار اپنی مشہور و مقبول اور بے نظیر کتاب ''زندگی'' تصنیف فرمائی۔

کچھ مدت بعد حکومت اور کانگریس میں مصالحت ہوگئی جس کا نام گاندھی اِروَن پیکٹ مشہور ہوا اس معاہدہ کے تحت ۲۵ شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء بروز پنج شنبہ تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے گئے۔ آل انڈیا کانگریس کے اجلاس کراچی کی طیاری شروع ہوگئی اس کی نئی ورکنگ کمیٹی کا انتخاب ہونا تھا پنجاب کانگریس کی نمائندگی کے لیے مرکز میں کوئی معروف و مقبول اور وزنی شخصیت موجود نہ تھی غالباً مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم نے تعلقات کی بنا پر مولانا آزاد رحمتہ اللہ علیہ کو آمادہ کیا اور دونوں نے مل کر گاندھی جی کو ڈاکٹر محمد عالم مرحوم کی نامزدگی کا مشورہ دیا۔ پنجابی خلافتی گروہ کے نمائندگان اور کئی دوسرے مسلم رہنما ڈاکٹر مرحوم کے سیاسی کردار اور عدم صلاحیت کے پیش نظر اس تجویز کے سخت خلاف تھے نتیجتاً جب گاندھی جی نے اجلاس میں ڈاکٹر عالم کی نامزدگی کا اعلان کیا تو سارا پنڈال مخالفانہ آوازوں اور احتجاجی نعروں سے گونج اٹھا۔لیکن گاندھی جی کے شخصی اور جماعتی وقار نے کسی کی نہ چلنے دی مرحوم چودہری صاحب نے اس موقع پر ہمت کر کے ذرہ انداز بدل کر یہ فرمایا کہ ڈاکٹر کی جگہ مولانا عبدالقادر قصوری ہی کو نامزد کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔ اس سے ڈاکٹر مرحوم سخت ناراض ہوگئے اس تمام احتجاجی مظاہرہ کی ترتیب و انگیخت کا کلی ذمہ دار چودھری صاحب کو قرار دے دیا۔ نتیجتاً آپ کے تمام خلافتی رفقاء بھی اس غصہ و عتاب کی زد میں آگئے حتیٰ کہ آں جہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی سخت برا منایا اور بعد میں ایک غلط تاثر کے تحت اپنی سوانح کی کتاب میں یہاں تک لکھ مارا کہ بعض ممبروں کو اس انتخاب پر اعتراض تھا کہ ان کے حلقے میں سے کسی کو بھی کانگرس کی مرکزی ورکنگ کمیٹی میں نشستیں نہیں دی گئیں اس لیے یہ لوگ کانگرس ہی کے خلاف ہوگئے اور انھوں نے مجلس احرار کے نام سے ایک الگ اور مستقل اسلامی انجمن بنا ڈالی حال آنکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف تھی اس واقعہ اور جھوٹے الزام نے پنجابی زعماء اور کانگرس کی تائید کر کے مسلم عوام کے ہیجان و تنفر اور ہندو سکھ کے شک آمیز گریز و فرار اور اختلافی مظاہرہ سے کافی زک اٹھا چکے تھے۔ لیکن جب کانگرس نے ۱۹۲۹ء کے اجلاس لاہور میں اس کی تائید کے باوجود اس رپورٹ کو خود ہی مسترد کر دیا اور اس کے بعد بھی ڈاکٹر انصاری مرحوم نے ہندو سکھ کے اتحاد

سے سیاسی پلیٹ فارم کی مضبوطی کے لیے سکھوں کو تناسب آبادی سے زائد حقوق دینے اور انتخابات میں بے جا مراعات تک سوچنے کے نظریہ سے قدم پیچھے نہ ہٹائے تو اس صورت حال کے پیش نظر اکابر پنجاب خلافت اور کانگرس کا اشتراک عمل مشکل ہوگیا۔ چنانچہ بالآخر یہ پورا گروہ کانگرس سے مستعفی ہوگیا مرحوم چودھری صاحب بھی اس میں شامل تھے آپ نے مرکزی کانگریس کے نام اپنے استعفاء میں پوری تاریخی اور سیاسی کیفیت واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر انصاری مرحوم کو لکھ بھیجا کہ پنجاب کے سودے میں تو رتی کی گنجائش نہیں آپ دھڑیاں تول رہے ہیں۔ جب مسلم قوم نے نہرو رپوٹ کو نہ مانا تو مزید حقوق دینے پر اس کو کیسے آمادہ کرسکیں گے اس لیے میں پنجاب کی سیاسی گتھی سلجھانے میں اور گنجائش نہ پاکر مستعفی ہوتا ہوں۔

احرار کی ذہنی نقشہ کشی اور قانونی تشکیل تو ۲۷ رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء بروز یک شنبہ اتوار ہی کو ہو چکی تھی اسی اجلاس میں حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے زیرِ صدارت جداگانہ حقوق وانتخابات اور جداگانہ تنظیم کے عنوان سے عوام کو تعاون کی دعوت دی صرف اس نئے نام اور پلیٹ فارم سے عملاً مصروف کار ہونے کا مرحلہ باقی تھا۔ مرحوم چودھری صاحب سمیت خلافتی اکابر کے کانگرس سے استعفاء کے بعد یہ مشکل بھی قدرآسان ہوگئی چنانچہ تشکیل جماعت سے پونے دوسال بعد ۲۴ صفر ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۱ر جولائی ۱۹۳۱ء بروز شنبہ ہفتہ حبیبیہ ہال لاہور میں اس نئی فعال و مخلص اور انقلابی اسلامی جماعت کا پہلا اہم اجتماع عام منعقد ہوا جس میں کانگرس اور لیگ سے بنیادی اختلافات کی نشان دہی اور اغراض ومقاصد کی تشریح کرکے قوم کو نیالائحہ عمل دیا گیا مرحوم چودہری صاحب کو جماعت میں شروع سے ہی مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھوڑے وقفہ سے جماعت کو اپنی سب سے پہلی اور سب سے بڑی عوامی جدوجہد تحریک کشمیر میں مصروف ہونا پڑا۔ قریباً چھ مہینوں میں پچاس ہزار رضا کار گرفتار ہوئے سب اکابر جیلوں میں بند ہوگئے اتفاقاً چودہری صاحب مرحوم اپنی علالت اور بہ ظاہر عملی سرگرمیوں سے فارغ ہونے کے سبب بچے ہوئے تھے لیکن عوام اور جماعت کے متعلقین پر مرزائیوں، ٹوڈیوں اور دوسرے دشمنوں کے پروپیگنڈے کا برا اثر پڑنے لگا تو آپ نے باوجود بیمار و کمزور ہونے کے کام شروع کردیا۔ حکومت نے چند گھنٹے کی مہلت دے کر پہلے تو لاہور سے نکال کر آپ کو اپنے وطن گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور نظر بند کیا مگر آپ نے وہاں بھی تبلیغ وتقاریر کے ذریعہ تحریک کا کام شروع کردیا تو تیسری دفعہ گرفتار کرکے رفقاء کے پاس ملتان نیوسنٹرل جیل میں ایک سال کے لیے قید کردیئے گئے۔ شروع سے ادیبانہ طبع ومزاج رکھتے تھے، حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ اور اپنے اکثر دوسرے بے تکلف احباب کا مجمع ملا تو جیل میں محفل مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا اس لیے ذہن پر ذرہ زور دے کر شعر گوئی شروع کی لیکن رہائی کے بعد یہ مشغلہ ختم ہوگیا اس دور کی یادگار چند منظومات وغزلیات اور متفرق اشعار موجود ہیں۔ ۱۳۵۳ھ، ۱۹۳۴ء میں مرزائیت کے منظّم تعاقب سرکوبی کے لیے خاص کادیان میں جماعت کا شعبہ تبلیغ قائم کر کے دفتر مسجد مدرسہ وغیرہ کا افتتاح کیا گیا اس وقیع تجویز میں آپ کا اصولی مشورہ شریک تھا درمیان میں تحریک مسجد شہید گنج

کا دل دہلا دینے والا خوں ریز و دردناک قضیہ شروع ہوگیا غلط کار لیڈروں، سرکار پرستوں اور مرزائیوں کے اشتراک سے اس کے لیے چلائی گئی تحریک سے جماعت الگ رہی فرنگی اقتدار اور ان عناصر کی مشترکہ سازش زہرناک اور تباہ کن سیاسی پروپیگنڈے نے جذباتی قوم کو پاگل کردیا دشمن کی چال بڑی حد تک کامیاب ہوئی جماعت زبردست اشتعال و مخالفت کی زد میں آگئی اس کے عوامی رسوخ و وقار کو سخت دھکا لگا اور دو سال بعد اواخر و اوائل ۱۳۵۶،۵۵ھ مطابق آغاز ۱۹۳۷ء میں منعقد ہونے والے ملکی انتخاب کے موقع پر کام کرنا اور الیکشن لڑنا مشکل ہوگیا۔ تاہم زخمی ہوکر بھی جماعت نے بارہ نشستیں جیت لیں تیرھویں سیٹ چودھری صاحب مرحوم کی تھی آپ کی مرکزی شخصیت و اہمیت نیز سابقہ مفید اور روشن کارناموں سے حکومت اور مذکورہ عناصر خار کھائے بیٹھے تھے انھوں نے یہاں تک کمینگی کی کہ پنجاب کے مختلف شہروں سے لولے لنگڑے اور مختلف حادثات میں مجروح شدہ اپاہجوں کو زبردستی جمع کیا ٹرکوں میں بھر بھر کر آپ کے حلقہ میں پہنچائے اور معذروں کو پٹی پڑھا کر ان کی زبان سے یہ شیطانی پروپیگنڈا کرایا کہ چودھری صاحب اور اس کی جماعت احرار نے شہید گنج کروا کر ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں سے ہم لوگوں کو تباہ کردیا ہے۔ اب یہ شخص پھر الیکشن لڑ کر اسمبلی میں جانا چاہتا ہے اس سے بچو اور اس کو گراؤ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جاہل اور بے خبر عوام برافروختہ ہوگئے علاقہ بھر میں آگ لگ گئی اور آپ اپنی برادری پرانے قومی رسوخ اور مقبولیت کے باوجود چودہ برس بعد صرف اٹھانوے ووٹوں سے ہرا دیئے گئے اس خطرناک مہم کے بعد بھی قومی خدمت میں مصروف رہے اس زمانہ میں جواہرات، شعور نامی مختصر اخلاقی افسانوں کے مجموعات لکھے اور اسلامی سیاست کا تاریخی کردار واضح کر کے ملکی آزادی میں ادیبانہ رہنمائی کے طور پر آزادیِ ہند جیسی زبردست مؤثر و معنیٰ خیز اور انقلاب انگیز کتاب تصنیف فرمائی۔

کچھ عرصہ بعد ۱۷ ر رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء بروز دوشنبہ پیر برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر کے دنیا کی دوسری بڑی جنگ کا آغاز کردیا۔ انقلاب پسند اسلامی جماعت کی حیثیت سے مجلس احرار اسلام کے لیے انگریز کو موت و حیات کی اس کشمکش میں بیش از بیش نقصان پہنچا کر آزادی کی منزل قریب لانے کا بہترین موقع ہاتھ آیا چنانچہ حسب روایات فوجی بھرتی بائیکاٹ نام سے زبردست مخالف تحریک شروع کردی گئی کانگرس مصالحت و معاہدہ کے چکر کے ذریعہ صوبہ جات سے یک دم مرکز پر تنہا قبضہ کا منصوبہ بنائے بیٹھی تھی اور لیگ اپنا مستقبل پرامن و عیش رکھنے کے لیے نہ کانگرس کی ہمنوا ہوئی نہ اس نے انگریز کی مکمل تائید کا کھل کر اعلان کیا بلکہ تاجرانہ ذہنیت، ریاءکارانہ عافیت کوشی سب سے الگ تھلگ تکبر آمیز اور گول مول پالیسی کے ذریعہ سب کو دھوکے میں رکھنے کی چال چلتی رہی پھر بھی اس کے اکثر بیانات اور تقاریر علانیہ انگریز کے حق میں گئیں، آزادی خواہ انقلاب پسندوں کو ان دونوں بڑی جماعتوں کی غلط پالیسی سے سخت نقصان پہنچا احرار سمیت دوسرے تمام قوم پرور عناصر اور ان کے درمیان اختلاف و بعد کی خلیج اور بھی وسیع ہوگئی۔ آنجہانی بابو سبھاش چندر بوس کی جماعت فارورڈ بلاک ملک بھر میں واحد تنظیم تھی جس نے احرار کے اس فکر و عمل کی کھل کر تعریف و

حمایت کی فرنگی کی عیاری و جفاء کاری کا نشانہ بننے کے لیے تحریکی محاذ پر احرار کو تنہا چھوڑ دیا گیا تھا تاہم سرفروشوں کی یہ جماعت احساس فرض اور اداءِ فرض کے جذبہ سے بخوشی قبول کر کے ہر کڑی سزا جھیل گئی حسب دستور کارکنوں کے ساتھ اکابر کو بھی دعوت دار و رسن قبول کرنی پڑی۔ جناب شیخ حسام الدین رحمتہ اللہ علیہ اور مولوی مظہر علی اظہر سمیت مرحوم چودھری صاحب چوتھی دفعہ گرفتار ہو کر ڈیڑھ سال کے لیے راولپنڈی جیل میں پہنچا دیئے گئے آپ پہلے ہی دائمی مریض چلے آتے تھے یہاں آ کر صحت کا ڈھانچا اور بھی ہل گیا تاہم آپ نے دینی اور علمی و ادبی معمولات جاری رکھے اسی جیل میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ نے اپنی محبوب ترین کتاب ''محبوب خدا'' کا تتمہ لکھ کر اسے مکمل کیا جو بعض جزئی خیالات و تعبیرات کے سویٰ اپنے موضوع پر بہترین کتاب شمار کی گئی ہے۔ ساتھ ہی اپنے بچوں کے نام لکھے ہوئے خطوط کا مجموعہ مرتب کیا جو آپ کی وفات کے بعد ''خطوط افضل حق'' کے نام سے شائع ہوا۔ تحریری آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آغاز جنگ اور قید سے پہلے ہنگامی دور میں ہی تاریخ احرار کا مواد فراہم کرنا شروع کر دیا تھا لیکن پوری کتاب نہ لکھ سکے تھے کہ جنگ کی قیامت ٹوٹ پڑی کچھ طبیعت کا میلان اور بعض دوسری مذکورہ تصانیف کی تکمیل کا عزم حائل ہو گیا اس لیے فرض تکمیل کی طرف بعد میں متوجہ ہوئے مسلسل علالت سے سخت نحیف اور مغموم و مایوس ہو رہے تھے رہائی کے بعد بحالی صحت کے لیے کچھ عرصہ کراچی وغیرہ میں بھی گزارا لیکن ضعف و انحطاط نہ رُکا بیماری کا آخری حملہ کارگر ہو گیا لیکن اس حالت میں بھی اپنے زر و جواہر سے قیمتی افکار قلم بند کرنے میں مصروف رہے اسی دوران میں مسئلہ ملکیت مال و جاگیر پر امرت سر کے مشہور عالم استاد زادہ امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ مولانا ابوالضیاء محمد بہاء الحق قاسمی زید مجدہ کے ساتھ ایک تحریری بحث شروع ہو گئی سخت علمی معرکہ برپا ہوا بالآخر جانبین کو مائل بہ اعتدلال کر کے حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ نے یہ قلمی مناظرہ ختم کرا دیا۔ اسی مضمون کے بعض حصص سے مفاد پرستانہ استدلال کر کے کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور کئی ناقص دینی معلومات اور ناپختہ ذہن رکھنے والے جدت پسندوں نے آپ کو زبردستی ہی اپنا موید و حامی مشہور کرنا شروع کیا اس سے دینی عناصر میں بدگمانیاں پیدا ہوئیں خصوصاً ایسے موقع کی تاک میں رہنے والی نئی خود غرض حریف تنظیم جماعت اسلامی نے جو انھی دنوں تازہ تازہ ولادت پذیر ہوئی تھی حسب مزاج و معمول برسوں تک مرحوم مفکر احرار اور جماعت احرار کے عقائد و مسلک کے متعلق زبانی اور تحریری طور پر نہایت غلط اور مکروہ پروپیگنڈا جاری رکھا جو بہ تغیر عنوان اب بھی کسی نہ کسی طرح جاری ہے۔ لیکن اکابر اور جماعت کی کتاب و سنت اور اجماع امت کے مطابق بے پناہ تقریری مہم اور مسلسل و ناقابل تردید عملی صفات نے اس نفس پرستانہ مخالفت کا منہ توڑ کر رکھ دیا آپ کی یہ علمی تحریر اسلام میں امراء کا وجود نہیں کے عنوان سے شائع ہو کر کارکنان جماعت علماء کرام اور دوسرے اسلام پسند اہل فکر و نظر کو دعوتِ غور کا باعث بن گئی۔

مجلس کی دعوت و تحریک اور اس کے مختلف ادوارِ زندگی کی سن وار تاریخ و روداد کے ضمن میں وہ اپنے جماعتی منصب اور حیثیت کے پیش نظر بہت کچھ لکھنا چاہتے تھے شروع میں مختلف تحریکات کے ہنگاموں نے سانس نہ لینے دیا اور

جب کچھ فرصت میسر آنے لگی تو مذکورہ موانع پیش آ گئے ایمر جنسی جنگی قوانین اور سنسر وغیرہ کی آفت سر پر مسلط تھی برصغیر پر سراج اللہ اور ٹیپو شہید رحمتہ اللہ علیہما سے لے کر شہداء کشمیر و شہید گنج تک تمام مظلومین حق اور کشتگان لیلائے آزادی افراد و تحریکات کے دوش بدوش انگریزی دسیسہ کاریوں اور ستم رانیوں کے لرزہ خیز واقعات قلم بند کرنے کا پختہ عزم تھا لیکن قانون کفر و جبر حائل ہونے کے سبب سے ہزاروں اوراق پر مشتمل ہونے والا دفتر ایثار و قربانی تاریخ احرار کے چند سو صفحات میں سمٹ کر رہ گیا پھر یہ مختصر روداد بھی تو برداشت نہیں ہوئی مسلمان نما کفر پرور، زلہ خوارانِ افرنگ، لیگی اور غیر لیگی پشتینی کاسہ لیسوں اور غداروں اور دشمن اسلام وقوم تجارت پیشہ سیاسی ٹولیوں کے خفیہ راز طشت از بام ہوتے دیکھ کر پنجاب گورنمنٹ نے تاریخ احرار کے مسودہ پر سنسر اور عدم اشاعت کے قانون کا چھرا چلا دیا نتیجتاً

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خلق خدا کے خوف سے ناگفتہ رہ گئے

بہر کیف اس نام سے جو کچھ بھی معزز رہنما نے جمع اور شائع کیا، ''مجبوری کا نام صبر کے مصداق ہزار غنیمت سمجھا گیا تمام اکابر اور لاکھوں خدام احرار نے اس پر خلوص کوشش کو اپنی حسین آرزوؤں اور معصوم امیدوں کی نقشہ کشی کی طرف ایک مثبت و مفید اور نتیجہ خیز تعمیری اقدام شمار کیا اتحادیوں کے حق میں جنگ کا پانسا پلٹ جانے کے بعد تکمیل مقصد کی غرض سے چودھری صاحب مرحوم نے دوسرا قدم اٹھایا اور پاکستان اور چھوت کے نام سے انگریزی میں ایک بڑا پر مغز سیاسی مقالہ مرتب کیا جو آپ کی وفات کے کچھ مدت بعد اکرام قمر صاحب کے اردو ترجمہ کے ساتھ کتابی صورت میں شائع ہو گیا اسی دوران میں اسلامی عقائد و احکام کی حکمت کے موضوع پر آپ نے دین اسلام کے نام سے بڑی پر مغز اور معرفت آمیز کتاب لکھنا شروع کی اور موت کی گھڑیوں تک اس کی تحریر میں مشغول رہے حتیٰ کہ وفات کے بعد آپ کے سرہانے سے اسی کا مکمل شدہ مسودہ اٹھایا گیا تھا جسے بفضلہٖ تعالیٰ ان کے ایمان پرور حسن خاتمہ کے لیے عنوان و دلیل شمار کیا گیا ہے اس کے بعد کچھ اور مقالات کتابچوں کی شکل میں یکے بعد دیگرے چھپ رہے تھے۔ احرار اور پاکستان کے موضوع پر بڑی مناسب و مدلل اور مسکت و اطمینان بخش تشریح کے ساتھ علمی گفتگو جاری تھی لیکن صحت کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا نہ مل سکا اور طویل علالت کے بعد آپ کے اور ہمارے درمیان موت کی اٹل دیوار حائل ہو گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفکر احرار رحمتہ اللہ علیہ گوناگوں امتیازات وخصائص کی حامل شخصیت کے مالک تھے فطرت فہم سلیم اور قلب مستقیم لے آئے تھے۔ طبیعت علم وتجسس کی خوگر، ذوق ادب اور انشاء کے سانچے میں ڈھلا ہوا مزاج، خالص اسلامی اور روحانی اقدار سے رنگین و منور کفر و اسلام کی کشمکش کو تاریخ و سیرت کے آئینہ میں دیکھا پڑھا بہ قدر وسعت واستعداد اردو، فارسی، انگریزی اور جزئی طور پر عربی میں اسلامی اصول و احکام سے تعارف حاصل کیا۔ اپنے پیش رو اکابر کے علمی، فقہی، سیاسی اور جماعتی مسلک و موقف سے پوری طرح متفق ہو کر آزادی وطن اور غلبہ اسلام کی جدوجہد میں رضا کارانہ شرکت

کر لی، اطاعت و خدمت، غازیانہ عزم اور مجاہدانہ ایثار و قربانی کے بے مثال جذبہ کے ساتھ عظیم کارنامے سرانجام دیئے، اپنی خداداد قابلیت و بصیرت کے زیر اثر چند دنوں میں ہی جماعت کے مفکر اور سیاسی وانقلابی دماغ کی حیثیت سے اُفق شہرت ومقبولیت پر جلوہ فگن ہو گئے پھر زمانہ نے ہر ملکی وقومی مدوجزر کے وقت ان کی ذہانت وفراست کی عجوبہ کاریاں اور ان کے علم وتدبُّر کے حیرت انگیز مظاہرات دیکھنے آخر عمر میں علمی وتاریخی ذوق وشعور اتنا سمجھ گیا اور اسلامی معلومات اتنی وسیع تھیں کہ بلند پایہ اہل علم کے ساتھ اہم دینی موضوعات پر زبان، قلم کے ذریعہ ناقدانہ مبادلہ افکار کر سکتے تھے۔ انتہائی ستھرے اور نکھرے ہوئے پاکیزہ اخلاق کا پیکر متحرک، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور فلسفہ دین وروحانیت سے عارفانہ لگاؤ رکھنے والے تھے۔ اگر سیاسی جھمیلوں سے کچھ مدت تک کے لیے الگ ہو کر کسی شیخ وقت سے باقاعدہ استفادہ کیا ہوتا تو بجائے خود ایک مرشد وخانقاہی زندگی کے حامل ہوتے لیکن اصل یہ ہے کہ حکیم مطلق نے ازل میں جس شخص کو جس کام کے لیے منتخب فرمادیا وہ دنیا میں فطرۃً اور عملاً اسی وظیفہ حیٰوۃ کی تکمیل اور فرض بندگی کی ادائیگی میں ہی لازماً مشغول رہ کر مشیت ایزدی کا مظہر بنا رہتا ہے اور بعینہ یہی حال مرحوم چودھری صاحب کا تھا کہ گھر کا آرام جاگیر وجائداد کی بافراغت زندگی مزید براں انگریزی دور میں سرکاری ملازمت خصوصاً پولیس سے وابستگی کا شاہانہ طمطراق اور خودمختارانہ دبدبہ یہ سب لوازم عیش وراحت تیاگ کر عمر بھر کے لیے تحفظ ختم نبوت کے درویشان خدامست کے سلسلہ عالیہ میں بیعت کی خانقاہ تحفظ ناموس اصحاب وازواج رسول کے متوالے قلندروں کے ہم پہلو اخلاص وایثار کے زاویہ میں معتکف ہو کر سلوک عشق کی منازل طے کر ڈالیں حاصل یہ ہے کہ ان کی زندگی ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم خیر الناس من ینفع الناس (بہترین انسان وہ ہے جو انسانوں کے کام آئے) کی روح کا پرتو تھی انگریز دشمنی، آزادی کی تڑپ، قومی برتری کی آرزو، قدیم وخالص اور موروثی اسلام کے احیاء وعروج اور غلبہ ونفاذ کی حسرت وتمنا، اقتصادی اعتدال اور معاشی مساوات کا علمی جذبہ، ملوکیت وجباریت اور دولت پرستی کے خاتمہ، اور عوام وغرباء کی خوش حالی وفارغ البالی کی امنگ، دین کی بھرپور تبلیغ کے لیے مجاہدہ اور عمل پیہم، بڑوں اور چھوٹوں سے حسب درجات احترام وتعظیم اور محبت وشفقت کا سلوک، اقارب واحباب اور اغیار کے ساتھ حسن معاشرت، خدمت خلق، جماعتی قومی اور دینی امور میں سرگرمی، چستی وچابک دستی، محنت وجاں، فشانی، خلوص وایثار، حمیت وغیرت، حلم وتدبر اور صبر واستقامت کا ہر ممکن عملی مظاہرہ اور اس کی دعوت خصوصاً نوجوانوں میں رضاکارانہ جذبہ اطاعت وخدمت، جوش جہاد اور جماعتی تنظیم سے وفادارانہ وابستگی کا داعیہ ابھارتے رہنا ان کی زندگی کا مقصد عظیم (مشن) تھا۔ جس کے لیے وہ صحت وعلالت، فقر وغناء اور قید وآزادی ہر حالت میں عاشقانہ جنون کے ساتھ سرگرم عمل رہے اور بالآخر اسی روش پر گام زن رہتے ہوئے اپنے مولائے حق سے جا ملے اور خلوص ووفا کی حد یہ ہے کہ جس جماعت کے دفتر میں ادا فرض کے لیے داخل ہوتے وقت ان کی سواری آ کے رکی تھی جیتے جی اسے نہ چھوڑا بلکہ اسی دفتر احرار سے ان کا جنازہ اتارا گیا۔ آپ نے مورخہ ۱۹؍ ذوالحجہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۸؍ جنوری بروز پنج شنبہ جمعرات سابق دفتر مجلس احرار اسلام ہندو دفتر روزنامہ آزاد

لاہور بیرون دہلی دروازہ لاہور کی بالائی منزل میں انتقال فرمایا اور قبرستان مزنگ اچھرا روڈ میں مدفون ہوئے رحمتہ اللّٰہ و مغفرتہ و رضوانہ علیہ آمین۔

مفکر احرار رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بعد بڑی صابرہ وشاکرہ مطیع ووفادار اور نیک بیوی کو سوگوار چھوڑا چار فرزندوں میں سب سے بڑے عزیزی شمس الحق۔ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ، صاحبِ عیال ہیں نہایت شریف الطبع، شگفتہ مزاج و با اخلاق ساہیوال میں مقیم ہیں۔عزیزی ضیاء الحق کالج تک کی تعلیم کے بعد کئی برس سے جرمنی میں بہ سلسلہ ملازمت مقیم ہیں۔عزیزی قمر الحق پاشا سکول مدرس ہیں اسی سال شادی ہوئی ہے عزیزی اظہار الحق ادیب والد گرامی قدر کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے۔ ماشاءاللہ شادی شدہ اور پاکستانی فوج میں عہدہ دار ہیں تین صاحبزادیاں بحمداللہ اپنے گھروں میں آباد ہیں یہ گھرانا مفکر احرار مرحوم کی زندگی میں بھی معزز تھا آپ کے وصال کے بعد بھی پوری جماعت آپ کی اہلیہ کے لیے ایک قابل صد فخر واحترام خاتون کی حیثیت سے پرخلوص جذبات رکھتی ہے اور آپ کی اولاد کو عزت ومحبت کی نگاہ سے دیکھتی ہے راقم الحروف کو حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی مفکر احرار مرحوم کی خدمت میں کئی بار سلام کے لیے حاضر ہونے کا موقع ملا، دوگونہ تعلقات کے باعث میں مرحوم کو چچا جی کہتا ابا جی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی اہلیہ کو بہن بنایا تو ان کو پھوپھی اور چچی کہہ کر سلام عرض کرتا۔دونوں بے انتہاء شفقت ومحبت فرماتے آپ کی اولاد میں عزیز شمس الحق قریباً میرے ہم سن ہیں دونوں بہنیں غالباً بڑی ہیں عزیزی ادیب کے سوئ بقیہ بہن بھائیوں میں گھٹنوں بلکہ دنوں کھیلتا رہا ہوں آج تک اس معصوم دور کی حسین یادیں زندہ ہیں دعا رہے کہ اللہ تعالیٰ تادم آخر ہمیں اس گھرانے کے ساتھ دین اور جماعت کے رشتہ سے وابستہ رکھیں اور اس خاندان کے ہر فرد کو بھی اپنے بلند مرتبہ پیش رو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی قدیم و مخلص اور تعاون کی مستحق جماعت کے ساتھ حقیقی اور دائمی وابستگی نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین

آخر کلام میں نشر واشاعت کے متعلق چند ضروری باتیں عرض ہیں۔الحمد اللہ ثم الحمد اللہ کہ پورے بیس برس کے بعد مجلس احرار اسلام پاکستان کے نئے مکمل دستور کی اشاعت کے ذریعہ جماعت کے مکتبہ مرکزیہ کا مبارک وانقلاب انگیز افتتاح ہو چکا ہے۔اس دور سیاہ میں جبکہ انگریز پرستوں، سبائی، مرزائی، پرویزی اور شیطانی بغض وتعصب کے اسیر قلم کاروں نے یہودیت کو اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے اور تحریف وخیانت کے مرتکب لیگی وغیرہ لیگی پرچہ نویسوں نے سیاسی دھاندلی اور علمی ڈکیتی کا خوفناک طوفان برپا کر رکھا ہے۔اس سیلاب بلا کے آگے بند باندھنا ملک کے علمی وتاریخی مستقبل کے تحفظ کے لیے ایک فرض کی صورت اختیار کر چکا ہے چنانچہ تحریک آزادی کی جامع مکمل اور مستند تاریخ کو صحیح ترتیب کے ساتھ منظر عام پر لانے کی غرض سے دستور جماعت میں مذکورہ وسائل کار کی شق پر فوری اور بھرپور عمل درآمد کرتے ہوئے اہم ذخیرہ فراہم کر لیا گیا ہے۔ مختلف دینی سیاسی اور ملکی موضوعات سے متعلق کئی ایک کتب ورسائل زیر اشاعت ہیں البتہ جماعتی نقطہ نظر سے قریباً سوا چھبیس برس کے بعد مختصر تاریخ احرار کو اس کی اصولی ومرکزی حیثیت کے مطابق ترجیح دے کر طبع ثانی کی صورت میں سب سے پہلے

پیش خدمت کیا جارہا ہے تاکہ ربع صدی سے جماعت کے بنیادی لٹریچر کے لیے بے چینی سے منتظر ومشتاق عوام اور خود اہل جماعت کی علمی وتاریخی تشنگی کسی قدر سیرابی اور سکون سے بدل سکے۔اس کے بعد جماعتی اور غیر جماعتی مطبوعات نیز ملفوظات اکابر پر مشتمل مفصل تاریخ کل ہند و پاکستان مرکزی مجلس عامہ ومجلس مندوبین کی منظور کردہ رہنما قراردادوں کا مجموعہ نیز اکابر احرار کے اسلامی فکر وشعور سیاسی بصیرۃ اور حکمت وتدبر کی آئینہ دار تقاریر وخطبات کی عظیم تاریخی امانت قوم کے سپرد کی جائے گی، علاوہ ازیں دوسرا تمام مطلوبہ مواد بھی پوری آب وتاب کے ساتھ اور ہماری اشاعتی روایات کے مطابق بتدریج منظر عام پر آتا رہے گا۔ان شاءاللہ تعالیٰ

خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رہے کہ وہ لٹریچر جو کسی جماعتی رہنما یا کارکن کی سعی کا نتیجہ ہو اولاً تو اس کے ساتھ لکھنے والوں کے انفرادی حقوق وابستہ ہیں اور جماعت کے تعلق سے اس میں دوہرے حقوق شامل ہیں۔ایسے ہی وہ تحریکی اور تبلیغی مواد جو بلاذکر مصنف ومؤلف شائع ہو وہ بھی اگرچہ شخصی مفادات سے تو خالی نہیں تاہم اس میں بھی جماعتی حقوق بہ درجہ اولیٰ شامل ہیں لیکن زبانی تعارف چندروزہ شناسائی اور کسی قسم کے تعلق کو بہانہ بنا کر ذات اور جماعت دونوں کے مفادات پر شب خون مارنے والے بہت سے بے نام و بے رشتہ نئے نئے وارث پیدا ہو گئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔خصوصاً لٹریچر تو ہر وقت ان اشاعتی چھاپہ ماروں کی زد میں رہتا ہے اس لیے قارئین کو بالعموم اور مذکورہ لٹریچر کو بلا اجازت ہضم کرتے رہنے کے خوگر اصحاب کو خصوصاً واضح طور پر مطلع اور متنبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے بیاض وملفوظات، بیانات و خطوط، مقدمات اور خطبات وتقاریر نیز مرحومین میں سے مفکر احرار امیر افضل حق، محترم شیخ حسام الدین، محترم حافظ علی بہادر خان، باقیات میں سے محترم شیخ تاج الدین لدھیانوی اور جناب مولوی مظہر علی اظہر کے تحریکی مضامین، خطبات وتقاریر بیانات وخطوط اور کتب ورسائل کا تمام مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ذخیرہ خالصتہً بہت سے خاندانوں اور خود جماعت کی ملکیت ہے اور ان سے وابستہ افراد ہی اس کے اصل وارث ہیں۔لہٰذا اوّل تو کوئی شخص یا ادارہ ان چیزوں کی خفیہ یا علانیہ اشاعت کر کے دینی اخلاقی اور قانونی جرم کا ارتکاب نہ کرے اور اگر وہ کسی بھی خیال یا نسبت سے ایسا غلط قدم اٹھا چکا ہو جیسا کہ بعض کم ظرف اور سنگدل لوگوں نے اپنا لایعنی تعلق اور سراسر جھوٹا حق جتلا جتلا کر مال مفت دل بے رحم کے مصداق بن کر ہمارا بہت سا ذاتی اور جماعتی لٹریچر بالکل زبردستی نہایت لغو، غلط اور بھونڈی شکل میں چھاپ چھاپ کر بیچ کھانے کو پیشہ بنا رکھا ہے اور وہ اپنے اس گناہ پر بجائے ندامت کے اپنی دھاندلی پر پوری ڈھٹائی سے قائم ہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ آئندہ کے لیے اس مکروہ فعل سے بالکل دست بردار ہو جائے تاکہ لٹریچر کے اصل مالکین اور اس کے درمیان ناگزیر تصادم رونما نہ ہو۔ورنہ واضح رہے کہ اس ذخیرہ میں سے کوئی بھی مواد اس کی اصل حالت یا بدلتی ہوئی صورت میں مکمل یا تحریف کر کے کسی بھی حیلہ سے شائع کیا گیا تو ذمہ داران مجلس اور مکتبہ مرکزیہ کے منتظمین ایسے ہر فرد یا ادارہ کے خلاف ہر قسم کی قانونی چارہ جوئی میں بالکل آزاد وخودمختار اور مکمل حق بہ جانب ہوں گے بعد میں ان کی کوئی غلط تاویل، جھوٹا عذر یا فرضی جواب قابل پذیرائی نہ ہوگا اور وہ ہر گونہ نقصان

کے خود ذمہ دار ہوں گے چنانچہ اسی ضابطۂ اخلاق کے ساتھ معلوم رہنا چاہیے کہ مفکر احرار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ذاتی لٹریچر جو لاہور کا ایک ادارہ زندگی میں مرحوم کی اجازت سے اور بعد میں ان کے اہل خانہ کے ساتھ معاہدہ کے مطابق شائع کر رہا ہے اسے چھوڑ کر آپ کی زیرِ نظر کتاب ''تاریخ احرار'' نیز مضامین وخطوط بیانات، تقاریر وخطبات اور کتب ورسائل کے جملہ حقوق اشاعت راقم الحروف نے مرحوم کی اہلیہ محترمہ اور فرزند اکبر عزیزی، چودھری شمس الحق کی وساطت سے زبانی اور تحریری اجازت کی شکل میں خصوصیت کے ساتھ حاصل کر لیے ہیں لہٰذا کوئی شخص یا ادارہ ان چیزوں کے متعلق بھی کوئی غیر شریفانہ ارتکاب نہ کرے ورنہ نتائج کا خود ذمہ دار ہوگا۔ **وما علینا الا البلاغ.**

رب کریم سے التجاء ہے کہ وہ جماعت کے بلند اصول ومقاصد کی تکمیل کے لیے ہماری دیرینہ تبلیغی واشاعتی آرزوئیں پروان چڑھائیں تاکہ مجلس کے خدام موجودہ اور آئندہ نسل کو ان کے تحریکی ماضی کے مدفون کارناموں، مستور تاریخی حقائق اور اس کی مبنی برحق وصواب جدوجہد کی دینی وسیاسی امانت بہ خیر وخوبی سپرد کر کے اپنے حقیقی فرض سے سبکدوش ہو سکیں آمین ثم آمین۔ انسان حاجات اور عیوب کا مرقع ہے انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ومستغنی ہونے کی شان کے باوجود اللہ تعالیٰ سے عالم اسباب میں اپنے لیے ساتھی اور مدد طلب فرماتے رہے۔ ان کے سامنے ہم گنہگاروں کی کیا حیثیت ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس لیے جملہ ہمدردان دین حق، طلب گاران تنظیم واتحاد اور مخلص متعلقین جماعت کا فرض ہے کہ وہ کفر والحاد کے تسلط اور مظلومی اسلام واہل حق کے اس نازک دور میں آگے بڑھیں اور جماعت کو دامے، درمے خیالے، سخنے، قدمے ہر قسم کے تعاون سے بہرہ ور کر کے رضاء خداوندی، حسن خاتمہ اور نجات وکامرانی کے مستحقین میں شمار ہوں۔ **وَاللّٰهُ عِنۡدَه أَجۡرٌ عَظِيمٌ.**

کالعدم وسائل اور درویشانہ انداز میں جو ہو سکا وہ پیش خدمت ہے انشاء اللہ نفع سے خالی نہ ہوگا، خود پڑھیں اور اس نایاب تاریخی تحفہ کے ساتھ ساتھ جماعت کی ہر تحریر اور پیغام حق کو ملک کے کونے کونے میں پہنچائیں۔ خلوصِ نیت کے ساتھ ہر ممکن محنت وسعی جاری رکھیں نتائج اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ ان شاء اللہ ذرہ برابر عمل بھی ضائع نہ ہوگا دنیا دارُ العمل ہے اور اجر کی جگہ عالم آخرت!

وَاللّٰهُ عَلٰى مَانَقُولُ وَكِيلٌ وَسَلامٌ عَلَى الْمُرسَلِينَ خُصُوصاً عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّأَصحَابِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَأَولَادِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ أَجمَعِين .آمِين.!

راقم السطور خادم احرار ابن امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری

ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان

کاشانۂ معاویہ ۲۳۲ کوٹ تغلق شاہ ملتان شہر

شب چہار شنبہ: ۳۰/۱۰/۱۳۸۷ھ......۳۱/۱/۱۹۶۸ء

(جاری ہے)

جنت میں گھر بنایئے!

مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی

کے زیر اہتمام چوتھے مرکز احرار

رحمٰن سٹی اوکانوالہ روڈ چیچہ وطنی کی تعمیر کا کام جاری ہے، مسجد کا ہال اور برآمدہ تعمیر ہو چکا ہے، اصحابِ خیر سے اپیل ہے کہ نقد اور مٹیریل کی شکل میں تعاون فرمائیں اور اللہ سے اجر پائیں!

25۔مرلے کے رقبہ پر اِس مرکز میں مسجد، مدرسہ، لائبریری اور ڈسپنسری تعمیر ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ اخراجات کا تخمینہ تقریباً ایک کروڑ روپے سے زائد ہے۔

اکاؤنٹ بنام: دارالعلوم ختم نبوت بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی

اکاؤنٹ نمبر: 076000,4037251873

نیشنل بنک آف پاکستان
جامع مسجد بازار چیچہ وطنی

ترسیل زر و رابطہ: عبداللطیف خالد چیمہ (مدیر مراکزِ احرار چیچہ وطنی)

دفتر دارالعلوم ختم نبوت، جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی ضلع ساہیوال

منجانب: تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی

040-5482253,0300-6939453:

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ......حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲)......حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین مرحوم معلم اسلامیات، فیصل آباد

دعاؤں کے طالب

CARE
PHARMACY
کیئر فارمیسی
Trusted Medicine Super Stores
24 گھنٹے سروس
اصلی اور معیاری ادویات کے مراکز
Head Office: Canal View, Lahore
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!
فیصل آباد میں 13 برانچز کے بعد اب 11 شہروں جڑانوالہ، ننکانہ صاحب، شاہکوٹ، کھرڑیانوالہ، سانگلہ ہل، چک جھمرہ، چنیوٹ، جھنگ، گوجرہ، سمندری، تاندلیانوالہ
آپ کی خدمت کے لیے 24 گھنٹے سروس